تفقہ فی الدین کی روایت کا علم بردار

ماہ نامہ

مفاہیم

کراچی

نومبر ۲۰۲۱ء

ماہنامہ مفاہیم کو ایک سال پورا ہونے پر مبارک باد

شمارہ ۱۲

فقہ اکیڈمی کا ترجمان

جلد ۱

لیتفقھوا فی الدین

فقہ اکیڈمی

ليتفقهوا في الدين

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگان محفوظ تر

اقبال

من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين

ماہ نامہ

مَفَاهِيم

کراچی

فقہ اکیڈمی کا ترجمان | تفقہ فی الدین کی روایت کا علم بردار

سرپرستِ اعلیٰ

حضرت مولانا مفتی نذیر احمد ہاشمی صاحب

مدیر

صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

نائب مدیر

حافظ حماد احمد ترک

مجلسِ مشاورت

- حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب
- ڈاکٹر محمد رشید ارشد
- مفتی اویس پاشا قرنی
- مولانا معراج محمد
- حافظ سید اسامہ علی
- استاذ ابرار حسین
- استاذ عابد علی بھٹی

فقہ اکیڈمی

C-335، بلاک-1، گلستان جوہر، بالمقابل جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ، کراچی، پاکستان۔ 3474 3662 21 92 + | 3474 3661 21 92 +

FIQHACADEMY.COM.PK FIQHACADEMY FIQHACADEMYPK +92 330 3474223

مضامین

نعت	ہر دم درودِ سرورِ عالم کہا کروں	مولانا ولی رازی	۴
اداریہ	ذکرِ رسول ﷺ	مدیر	۶
درسِ قرآن	قیام اللیل کی فضیلت واہمیت	مولانا محمد اقبال	۱۰
درسِ حدیث	نبی اکرم ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگنا	ابنِ عباس	۱۵
	برکت وتبرکِ رسول ﷺ (۱)	صوفی جمیل الرحمٰن عباسی	۲۱
مقالات	ولادتِ نبوی ۱۲ اور وفات ۲ ربیع الاوّل: ایک تحقیق	مولانا محمد شفیع قاسمی بھٹکلی	۲۹
	بیت المقدس کا تاریخی خاکہ (۵)	صوفی جمیل الرحمن عباسی	۳۶
ادبیات	غزل: راہِ وفا میں ہر سو کانٹے	مولانا محمد زکی کیفی	۴۶
مقالات	گزشتہ ۱۱ شماروں کا اشاریہ	مولانا احماد احمد ترک	۴۸

مولانا ولی رازی
معروف ادیب، ابنِ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

ہر دم درودِ سرورِ عالم کہا کروں

مولانا ولی رازی کی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر غیر منقوط کتاب "ہادیٔ عالم" سے ماخوذ غیر منقوط نعت

ہر دم درودِ سرورِ عالم کہا کروں
ہر لمحہ محوِ روے مکرم رہا کروں

اسمِ رسول ہوگا، مداواے دردِ دل
صل علیٰ سے دل کے دکھوں کی دوا کروں

ہر سطر اس کی اسوۂ ہادی کی ہو گواہ
اس طرح حالِ احمدِ مرسَل کہا کروں

معمور اس کو کر کے معرّا سُطور سے
ہر کلمہ اس کا دل کے لہو سے لکھا کروں

گو مرحلہ گراں ہے، مگر ہو رہے گا طے
اسمِ رسول سے ہی درِ دل کو وا کروں

ہر دم رواں ہو دل سے درودوں کا سلسلہ
طے اس طرح سے راہ کا ہر مرحلا کروں

دے دوں اگر رسولِ مکرم کا واسطہ!
دل کی ہر اک مراد ملے، گر دعا کروں

اس کے علاوہ سارے سہاروں سے ٹوٹ کر
اللہ کے کرم کے سہارے رہا کروں

ہو کر رہے گا سہل، ہر اک مرحلہ کڑا
اللہ کے کرم کا اگر آسرا کروں

اردو کو اک رسالۂ الہام دوں ولؔی
لوگوں کو دورِ ہادئ عالم عطا کروں

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

****

مدیر
ماہنامہ مفاہیم، کراچی

ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

گزشتہ ماہ ربیع الاول میں ہمارے ماہنامے کا اجرا ہوا تھا۔ اول شمارے اور ماہِ مبارک کی نسبت سے پہلے اداریے میں ہم نے رسول اللہ ﷺ کی شانِ اولیت کو بیان کر کے تبرک لینے کا ارادہ کیا تھا۔ محبوب کی یاد، اپنے وجود میں کسی موسم کی محتاج ہو یا نہ ہو، اپنے وفور میں اوقات کی محتاج ضرور ہوتی ہے کہ بعض مواقیت؛ مواجیدِ عشق میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ آج ہم پھر ربیع الاول میں ہیں اور موضوع ذاتِ رسول ﷺ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ اس شمارے میں رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے دو مضمون شامل کیے جا رہے ہیں۔ خورشیدِ نبوتِ کاملہ و خاتمہ کا اس عالمِ رنگ و بو میں ظہور، ۱۲ ربیع الاول بروز پیر ہوا۔ یہ جمہورِ اہلِ اسلام کی رائے ہے جس کے برعکس بعض لوگوں نے یا تو تاریخ پیدائش ۱۲ ربیع الاول کے بجائے کوئی دوسری قرار دینے کی کوشش کی ہے یا بعض نے ''بارہ میلاد'' کو ''بارہ وفات'' بنا کر پیش کیا ہے۔ اس بحث میں عامیانہ رنگ تب آیا کہ جب مروجہ ''جشنِ میلادِ نبی'' کی نفی تاریخ و ایام کے التباس سے کرنے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ اس حوالے سے ایک مختصر مگر جامع مضمون شاملِ اشاعت کیا جا رہا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی پیدائش بارہ ربیع الاول کو بروز پیر ہوئی۔ علمائے کرام نے اس حسنِ انتخاب کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تخلیقِ کائنات کے عظیم منصوبے میں پیر کا دن وہ تھا کہ جس میں روئے ارضی پر درخت اور سبزے اگائے گئے جن پر حیاتِ ظاہری کا دار و مدار رہے۔ اسی پیر کے دن رسولِ مقبول ﷺ کی پیدائش عمل میں لائی گئی کہ جن پر لوگوں کی روحانی و قلبی زندگی کا دار و مدار تھا۔ ربیع بہار کو کہتے ہیں جس کی آب و ہوا معتدل ہوتی ہے اور اس میں اشجار و نبات میں

روئیدگی اور نشونما ظہور کرتی ہے اور لوگ مادی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ پس ربیع الاول میں آپ ﷺ کی پیدائش گویا اس طرف اشارہ ہے کہ آپ لوگوں کے لیے اعتدال و توسط کی فراخی اور مادی و معنوی بہار لے کر آرہے ہیں۔ موسمِ ربیع و بہار قدرت کے احسانات، نعمتوں کی وسعت و بہتات اور ان چیزوں میں برکت و نشونما کا مظہر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی بعثت کو ایک احسان و امتنان کے طور پر ذکر کیا:﴿لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾(آل عمران:۱۶۴)"یقیناً اللہ نے احسان کیا اہلِ ایمان پر جب انھی میں سے ایک رسول ان کی جانب مبعوث فرمائے"۔

جس طرح بہار کا موسم پژمردگی کا مانع ہے اسی طرح رسول کریم ﷺ کی ذات کو کفر سے ایک مانع کے طور پر ذکر کیا گیا:﴿وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَى عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ﴾(آلعمران:۱۰۱)"تم کیونکر کفر کرتے ہو کہ جب کہ تم پر اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں"۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہاں كَيْفَ تعجب کے طور پر استعمال ہوا ہے کہ اللہ کی آیات کے بعد رسول کریم ﷺ کی موجودگی، کفر سے ایک قوی مانع اور شبہات کے دور کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی کے بعد بھی کوئی کفر کرے تو بڑی حیرانی کی بات ہے"۔ ایک بار نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:«وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ»"تم کیسے ایمان نہ لاتے کہ میں تمھارے درمیان موجود ہوں"۔ (الجامع الصحیح)

جس طرح موسمِ بہار؛ پت جھڑ اور سرما کی سختیوں کا خاتمہ بن کر آتا ہے اسی طرح ذاتِ رسول ﷺ کو عذابِ الٰہی کے موانع میں ذکر کیا گیا فرمایا:﴿وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ (الانفال:۳۳)"اور اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا اے نبی جب تک آپ ان کے درمیان موجود ہیں۔ اور اللہ ان کو عذاب نہ دے گا جب تک وہ استغفار کرتے ہوں"۔ آپ ﷺ کی ہدایت یقیناً بابرکت ہے لیکن آپ کی برکت ہدایت ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کی ذاتِ شریف بھی برکت کا ایک منبع ہے۔ اس بات کی وضاحت فرمانِ رسول ﷺ سے ہوتی

ہے۔ جب حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو اپنی ذات پر نفاق کا اندیشہ محسوس ہوا جس کی علامت انھوں نے یہ بتائی کہ آپ ﷺ کی مجلس میں جو حضوری کی کیفیت ہوتی ہے وہ مال و عیال کے اشتغال میں جاتی رہتی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنْ لَوْ تَدُومُونَ عَلَى مَا تَكُونُونَ عِنْدِي، وَفِي الذِّكْرِ، لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلَى فُرُشِكُمْ وَفِي طُرُقِكُمْ وَلَكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً» ”مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم دائمی طور پر اس طرح ہو جاؤ جیسے میرے پاس ہوتے ہو اور جیسا کہ تم ذکر کی کیفیت میں ہوتے ہو تو فرشتے تمھارے بستروں اور راستوں میں تم سے مصافحہ کریں، لیکن اے حنظلہ! یہ تو وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔(صحیح مسلم) تو رسول اللہ ﷺ نے حضوری کی کیفیت میں معاون دو چیزوں کا ذکر کیا: ایک تو اپنی صحبت و محفل «مَا تَكُونُونَ عِنْدِي» اور دوسرے آپ ﷺ کا ذکر و تلقین «وَفِي الذِّكْرِ»!! اسی کی تفصیل سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے اس تبصرے میں ملتی ہے فرماتے ہیں: لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي دَخَلَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ أَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ- فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ أَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ وَمَا نَفَضْنَا أَيْدِينَا عَنِ التُّرَابِ وَإِنَّا لَفِي دَفْنِهِ حَتَّى أَنْكَرْنَا قُلُوبنا ”جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے اس دن مدینہ کی ہر چیز روشن ہو گئی اور جس دن آپ ﷺ کا انتقال ہوا، ہر چیز پر اندھیرا چھا گیا اور ہم نے آپ ﷺ کو دفن کر کے اپنے ہاتھ تک نہیں جھاڑے تھے اور آپ کے دفن میں مشغول تھے کہ ہمارے دلوں میں تغیر پیدا ہو گیا“۔ صاحبِ مرقاۃ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لِانْقِطَاعِ مَادَّةِ الْوَحْيِ وَفُقْدَانِ بَرْكَةِ صُحْبَتِهِ وَأَثَرِ إِكْسِيرِ حُضُورِ حَضْرَتِهِ ”کیفیتوں میں یہ فرق وحی کے انقطاع اور آپ ﷺ کی صحبتِ بابرکت اور آپ کی اکسیر اثر موجودگی کے فقدان کی وجہ سے آیا تھا“۔ اس میں کیا شک کہ رسول اللہ ﷺ کی برکتوں کو بچشم سر دیکھنے کا موقع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کو ملا۔ اسی دیکھنے کی عظمت کی وجہ سے صحابہ کرام فضیلتوں کے حامل بنے۔ جس کی طرف اشارہ کیا گیا ان الفاظ میں: «طُوبَى لِمَنْ رَآنِي وَمَنْ رَأَى مَنْ رَآنِي وَمَنْ رَأَى مَنْ رَأَى مَنْ رَآنِي» (المعجم الاوسط) ”بشارت ہے اس کے لیے جس نے مجھے دیکھا اور اس کے لیے بھی کہ جس نے

میرے دیکھنے والوں کو دیکھا اور اس کو بھی بشارت کہ جس نے میرے دیکھنے والوں کے دیکھنے والے کو دیکھا"۔

خوش رہیں تیرے دیکھنے والے

ورنہ کس نے خدا کو دیکھا ہے

لیکن خداے رحیم اور نبی کریم ﷺ نے بعد والوں کو بھی محروم نہیں رکھا، ان کو بھی بشارتوں سے نوازا گیا۔ کہیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے بعد والوں کو اپنا بھائی قرار دیا گیا: «أَنْتُمْ أَصْحَابِي، وَإِخْوَانِي الَّذِينَ آمَنُوا بِي، وَلَمْ يَرَوْنِي» "تم میرے صحابی ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو مجھ پر ایمان لائے لیکن انھوں نے مجھے دیکھا نہیں" (المعجم الاوسط) اور کہیں ان کے ایمان کو خوبصورت ایمان قرار دیا گیا: «أَعْجَبَ النَّاسِ إِيمَانًا،قَوْمٌ يَجِيئُونَ مِنْ بَعْدِي، يُؤْمِنُونَ بِي وَلَمْ يَرَوْنِي» (المعجم الکبیر) "لوگوں میں خوبصورت ترین ایمان والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور مجھے دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لائیں گے"۔ اور حرفِ آخر آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے: «حَيَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ تُحَدِّثُونَ وَيُحَدَّثُ لَكُمْ، وَوَفَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ يُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ، فَمَا رَأَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُ اللهَ عَلَيْهِ، وَمَا رَأَيْتُ مِنْ شَرٍّ اسْتَغْفَرْتُ اللهَ لَكُمْ» (كشف الأستار عن زوائد مسند البزار) "میری زندگی تمھارے لیے بہتر ہے کہ تم مجھ سے (مشکلات و مسائل) بیان کرتے ہو اور (میری طرف سے) تمھارے لیے حل بیان کیے جاتے ہیں۔ اور میری وفات بھی تمھارے لیے بہتر ہے کہ تمھارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ جو اچھے ہوتے ہیں ان پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور جو اعمال برے ہوں ان پر میں اللہ کی جناب میں تمھارے لیے استغفار کرتا ہوں"۔ یہ آپ ﷺ کی برکتوں کا ایک مجمل بیان تھا۔ اسی کی قدرے تفصیل پر مبنی ایک مضمون شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ دعا ہے کہ ہماری یہ سعی تعلق مع الرسول میں اضافے کا ذریعہ بنے۔ آمین

* * * *

مولانا محمد اقبال
معاونِ شعبہ تحقیق وتصنیف، فقہ اکیڈمی

قیام اللیل کی فضیلت و اہمیت

سورۂ بنی اسرائیل، آیت:۷۹

﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾

اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھا کرو جو تمھارے لیے ایک اضافی عبادت ہے۔ امید ہے کہ تمھارا پروردگار تمھیں مقامِ محمود تک پہنچائے گا۔

آیتِ کریمہ کی تفسیر

مذکورہ آیتِ مبارکہ کے پہلے حصے میں تہجد کے متعلق رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا گیا ہے کہ رات کے ایک حصے میں اللہ تعالی کے حضور نماز کا اہتمام کریں۔ اس آیتِ مبارکہ میں تہجد کو رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک زائد عبادت قرار دیا گیا ہے۔ اس زائد عبادت کا مطلب کیا ہے؟ اس بارے میں مفسرین میں سے بعض نے موقف اختیار فرمایا کہ تہجد کی نماز آں حضرت ﷺ پر اضافی طور پر فرض تھی اور عام مسلمانوں کے لیے فرض نہیں ہے، نفل ہی ہے۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ اس کے متعلق فرماتے ہیں: ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ﴾ أي زيادةٌ على الفرائضِ الخمسِ خاصّةً بِكَ (روح المعانی، ج:۸، ص:۱۸۵) "اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھا کرو جو تمھارے لیے ایک اضافی عبادت ہے یعنی

پانچ فرض نمازوں پر زائد عبادت ہے جو خاص طور پر آپ پر فرض ہے"۔اسی مَوقِف کے متعلق تفسیر ابنِ کثیر میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: مَعْنَاهُ أَنَّكَ مَخْصُوصٌ بِوُجُوبِ ذَلِكَ وَحْدَكَ، فَجَعَلُوا قِيَامَ اللَّيْلِ وَاجِبًا فِي حَقِّهِ دُونَ الْأُمَّةِ(تفسیر ابنِ کثیر، ج:۲، ص:۳۹۲) "اس کا مطلب ہے کہ تہجد کا وجوب صرف آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے، اس آیت کی رو سے قیام اللیل یعنی تہجد حضور ﷺ کے حق میں خاص طور پر واجب ہے جبکہ امت پر واجب نہیں ہے"۔ جبکہ بعض دیگر مفسرین نے "اضافی عبادت" کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ تہجد دوسرے مسلمانوں کی طرح حضور ﷺ کے لیے بھی نفلی عبادت تھی۔ تفسیر ابنِ کثیر میں ان مفسرین کا موقف اس طرح بیان کیا گیا ہے: إِنَّمَا جُعِلَ قِيَامُ اللَّيْلِ فِي حَقِّهِ نَافِلَةً عَلَى الْخُصُوصِ، لِأَنَّهُ قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ، وَغَيْرُهُ مِنْ أُمَّتِهِ إِنَّمَا يُكَفِّرُ عَنْ صَلَوَاتِهِ النَّوَافِلِ الذُّنُوْبَ الَّتِي عَلَيْهِ. (تفسیر ابنِ کثیر، ج:۲، ص:۳۹۲) "قیام اللیل کو آپ ﷺ کے حق میں خصوصی طور پر ایک اضافی عبادت قرار دیا گیا ہے اس لیے کہ حضور ﷺ کی اگلی پچھلی ساری خطائیں معاف کر دی گئی ہیں۔ جبکہ حضور ﷺ کے علاوہ باقی امت میں سے ہر شخص کے لیے نوافل اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں"۔ یعنی حضور ﷺ چونکہ معصوم عن الخطا ہیں اس لیے آپ ﷺ کے حق میں تہجد ایک اضافی عبادت ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ پر فرض تو ہے نہیں اور اسی طرح یہ آپ ﷺ کے گناہوں کے لیے کفارہ بھی نہیں بن سکتی کیونکہ حضور ﷺ گناہوں سے پاک ہیں۔ جبکہ یہ نماز حضور ﷺ کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے ان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اس لیے حضور ﷺ کے علاوہ باقی امت کے لیے "اضافی عبادت" نہیں ہے۔

تہجد کی اہمیت و فضیلت قرآن و سنت کی روشنی میں

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے کئی دوسرے مقامات پر ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضور رات کی تنہائی میں کھڑے ہو کر عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان کی عبادات میں جو کوتاہیاں ان سے سرزد ہوئی ہیں ان کی نحوست کی وجہ سے کہیں وہ عبادات بارگاہِ

الٰہی میں نامنظور نہ ہوجائیں۔ سورۂ سجدہ میں ارشادربانی ہے:﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا﴾ (الم السجدة: ١٦)"ان کے پہلو (رات کے وقت) اپنے بستروں سے جدا ہوتے ہیں۔وہ اپنے پروردگار کوڈراور امید (کے ملے جذبات) کے ساتھ پکار رہے ہوتے ہیں" ۔اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے: ﴿كَانُوْا قَلِيْلاً مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾(الذاریات:۱۷،۱۸)"وہ رات کے وقت کم سوتے تھے اور سحری کے اوقات میں وہ استغفار کرتے تھے"۔یعنی اللہ والوں کی شان یہ ہوتی ہے کہ رات بھر عبادت میں مشغول رہنے کے بعد بھی وہ اپنے اس عمل پر مغرور نہیں ہوتے بلکہ سحری کے وقت استغفار کرتے ہیں۔ان کو یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ ہماری اس عبات میں ایسی کوتاہیاں ہم سے ہوئی ہوں گی جن کی وجہ سے وہ عبادت اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کے لائق ہی نہ ہو، تو اس کی تلافی کے لیے آخر میں استغفار کا اہتمام کرتے ہیں۔

اسی طرح احادیثِ مبارکہ میں بھی تہجد کی نماز پڑھنے کے بے شمار فضائل وارد ہوئے ہیں۔چنانچہ تہجد کی نماز کے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:«أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ شَهْرُ اللهِ الْمُحَرَّمُ وَأَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ صَلَاةُ اللَّيْلِ»(صحیح مسلم) "رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ تعالیٰ کے مہینے محرم کے روزے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز یعنی تہجد ہے"۔
حضور ﷺ نمازِ تہجد کا اس قدر اہتمام فرماتے تھے کہ زیادہ عبادت کی وجہ سے آپ ﷺ کے قدمینِ مبارک میں ورم آجاتا تھا۔کثرت واہتمام کا اندازہ اس حدیث سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ كَانَ يَقُومُ مِنَ اللَّيْلِ حَتَّى تَتَفَطَّرَ قَدَمَاهُ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: لِمَ تَصْنَعُ هَذَا يَا رَسُولَ اللهِ، وَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ؟ قَالَ:«أَفَلَا أُحِبُّ أَنْ أَكُونَ عَبْدًا شَكُورًا» (صحیح بخاری)"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ رات کی نماز یعنی تہجد میں اتنا طویل قیام کرتے کہ آپ کے قدم پھٹ جاتے تھے۔ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ اتنی زیادہ مشقت کیوں اٹھاتے ہیں

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف کردی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا پھر میں یہ پسند نہ کروں کہ میں شکر گزار بندہ بنوں"۔

مذکورہ بالا ارشادات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رات کو عبادت اور نماز و تلاوت میں مشغول رہنے کی بڑی فضیلتیں ہیں۔ قیام اللیل کی فضیلت اور اہلِ تہجد کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک جتنی قدر و منزلت ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلامِ مجید میں متعدّد مقامات پر اس کا تذکرہ فرمایا ہے اور اہلِ تہجد کی بڑی ہی سعادت اور سرخروئی بیان فرمائی ہے۔ راتوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو کر گڑگڑانا، اپنے محبوب حقیقی کے ساتھ راز و نیاز میں منہمک رہنا اللہ تعالیٰ کے خاص اور صالح بندوں کی صفات میں سے ہے، اس لیے کہ رات کو میٹھی نیند سے اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنے سے انسان کی خواہشات اسے روکتی ہیں۔ یہ انھی کا کام ہے جو موفق من اللہ ہوں۔ اسی طرح رات کے وقت میں چونکہ خاموشی طاری ہوتی ہے اور شور و غل کم ہوتا ہے اس لیے دعائیں حضورِ قلب کے ساتھ مانگی جا سکتی ہیں۔ جیساکہ سورۂ مزمل میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے: "بے شک رات کے وقت اٹھنا ہی ایسا عمل ہے جس سے نفس اچھی طرح کچلا جاتا ہے، اور بات بھی بہتر طریقے پر کہی جاتی ہے"۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم تہجد کی نماز کا اہتمام کریں۔ یہ مشکل ضرور ہے مگر اس کے فضائل بے شمار ہیں، اگر خدانخواستہ ہر رات ہم میں سے کوئی اس کا اہتمام نہیں کر سکتا تو مکمل طور پر اس سے محروم نہیں ہونا چاہیے بلکہ جزوی طور پر اس کا اہتمام کرنا چاہیے خصوصاً سردیوں میں اس کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ سردیوں کی لمبی راتوں میں اس کا اہتمام آسان ہوتا ہے۔ جیسے آج کل کے موسم میں راتیں کافی لمبی ہوتی ہیں آسانی سے تہجد کا اہتمام کیا جا سکتا ہے اس لیے ہمیں چاہیے کہ ان راتوں سے فائدہ اٹھائیں اور جس وقت آنکھ کھل جائے، وضو کر کے جس قدر طاقت اور فرصت ہو چند رکعتیں پڑھ لیا کریں۔

مقام محمود سے کیا مراد ہے؟

مقامِ محمود کے لفظی معنی ہیں قابلِ تعریف مقام۔ جبکہ مفسرین کے نزدیک اس سے مراد آنحضرت ﷺ کا وہ منصب

ہے جس کے تحت آپ کو شفاعت کا حق دیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: المَقَامُ الْمَحْمُوْدُ مَقَامُ الشَّفَاعَةِ (تفسیر ابنِ کثیر، ج:۲، ص:۳۹۲) "مقامِ محمود سے مراد مقامِ شفاعت ہے"۔ مقامِ شفاعت کا مطلب رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ وہ شفاعت ہے کہ قیامت کے دن جب ہر طرف نفسي نفسي کا عالم ہو گا اور اللہ تعالیٰ غضب کی حالت میں ہوں گے، اس وقت حضور ﷺ کی سفارش پر حساب کتاب کا آغاز ہو گا اور اسی طرح مقامِ شفاعت سے مراد شفاعتِ کبریٰ بھی ہے جو حضور ﷺ کو اپنی امت کے گناہ گار بندوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

* * * * *

ابنِ عباس
معاون قلم کار

نبی اکرم ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگنا

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلاً ضَرِيرَ الْبَصَرِ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: اُدْعُ اللهَ أَنْ يُعَافِيَنِي قَالَ: «إِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ، وَإِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ». قَالَ: فَادْعُهْ، قَالَ: فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ وُضُوءَهُ وَيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ وَيَدْعُوَ بِهَذَا الدُّعَاءِ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ لِتُقْضَى لِيَ، اللَّهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ (سنن ابن ماجہ، سنن ترمذی، مستدرک حاکم، مسند احمد)

”عثمان بن حُنَیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص آپ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی میرے لیے دعا کریں کہ اللہ مجھے اس بیماری سے شفایاب کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تُو دعا کرانا چاہے تو دعا کرا لے اور اگر تو اس بیماری پر صبر کرے تو یہ تیرے لیے بہتر ہے“۔ اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ! دعا ہی فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے، پھر دو رکعت پڑھے اور پھر یہ دعا پڑھے: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری جناب میں تیرے ہی پیغمبر محمد نبیِ رحمت کا وسیلہ پکڑتا ہوں، اے محمد! میں اپنے رب کے حضور آپ کا وسیلہ پکڑتا ہوں، اپنی اس حاجت میں، تاکہ یہ حاجت پوری ہو جائے۔ اے اللہ! میرے حق میں ان کی یہ شفاعت قبول فرما“۔

حدیث کا موضوع

اس حدیث پاک کا موضوع تَوَسُّل ہے۔ تَوَسُّل کا لغوی معنی تقرب ہے۔ کسی دوسرے تک پہنچنے کے واسطے یا ذریعے کو

وسیلہ یا توسل کہتے ہیں۔ تَوَسُّل کا اصطلاحی مطلب لغوی مطلب سے ملتا جلتا ہے۔ توسل کا ایک اطلاق ان اعمال پر ہوتا ہے جن کے ذریعے اللہ تعالی کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے۔ کسی دوسرے سے درخواست کرنا کہ وہ ہمارے لیے اللہ کے قرب یا کسی شے کے حصول کے لیے دعا کرے، یہ بھی توسل ہے۔ اسی طرح اپنی دعا میں کسی نیک شخصیت کا نام لے کر، اللہ تعالیٰ سے اس کے وسیلے اور واسطے سے کوئی درخواست کرنا بھی توسل ہے۔ ان معنوں میں توسل دعا کا ایک طریقہ ہے جس میں سوال اللہ تعالیٰ ہی سے کیا جاتا ہے نہ کہ کسی مخلوق سے۔ توسلِ مشروع میں مُتوسَّل به (جس کے ذریعے سے توسل کیا جاتا ہے) بارے میں یہ اعتقاد رکھا جاتا ہے کہ وہ نیک اور اللہ کی محبوبیت کے مقام پر فائز ہے، یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ مُتوسَّل به کا اللہ پر کوئی زور چلتا ہے اور اللہ اس کی بات ماننے پر مجبور ہے۔

توسل میں یہ نہیں سمجھا جاتا کہ متوسل بہ اپنی ذات میں نفع ونقصان کا قادر ہے، بلکہ نفع ونقصان اللہ ہی کے ہاتھ میں سمجھا جاتا ہے۔ یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ کسی واسطے کے بغیر دعا نہیں کی جاسکتی اور توسل لازمی ہے۔ بلکہ ایک مستحب امر ہے۔ یہ حدیثِ مبارکہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی سے توسل یا وسیلہ اختیار کرنے کی دلیل ہے۔ امام شوکانی تحفۃ الذاکرین میں لکھتے ہیں: وَفِي الحَدِيث دَلِيلٌ على جَوَازِ التوسّلِ برَسُول الله ﷺ إِلَى الله عزوَجل مَعَ اعْتِقَاد أَن الْفَاعِلَ هُوَ الله سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى وَأَنهُ الْمُعْطِي الْمَانِعُ مَا شَاءَ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لِمْ يَكُنْ "یہ حدیث اللہ تعالیٰ کی جناب میں رسول اللہ ﷺ کی ذات سے توسل اور وسیلہ اختیار کرنے کی دلیل ہے۔ البتہ اس میں اعتقاد یہ رہنا چاہیے کہ فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی عطا کرنے والا اور وہی روکنے والا ہے۔ جو وہ چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا"۔

تشریح

ضریر؛ ضعیف النظر کو بھی کہتے ہیں اور اندھے کو بھی۔ اس روایت میں اندھا مراد ہے اور اندھے سے بھی وہ اندھا کہ جس کی نظر پہلے تو تھی لیکن پھر زائل ہوگئی اس لیے کہ ایک روایت میں ہے: قد ذَهَبَ بَصَرُهُ "اس کی بینائی چلی گئی تھی" کے الفاظ آتے ہیں۔ صبر کی تلقین سے گویا آپ ﷺ نے اسے حدیثِ قدسی کی طرف متوجہ کیا: «إِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِي

بِحَبِيْبَتَيْهِ فَصَبَرَ، عَوَّضْتُهُ مِنْهُمَا الجَنَّةَ»يُرِيدُ: عَيْنَيْهِ(صحیح بخاری)"جب میں اپنے بندے کی آزمائش کروں اس کی دو پسندیدہ چیزوں(یعنی آنکھوں)کے معاملے میں اور وہ اس پر صبر کرے تو میں اس کے بدلے میں اسے جنت دوں گا"۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سائل کو اختیار دینا

علامہ طِیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی درخواست پر اسے اپنی دعا اور صبر میں سے ایک کا اختیار دیا تو وہاں دعا کی نسبت اپنی طرف کی۔ لیکن اس شخص نے صبر کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا نہیں کی بلکہ اسے حکم دیا کہ وہ خود اپنے لیے دعا کرے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی طرف سے صبر کے بجائے صحت یابی کی دعا کے اختیار کرنے کو ناپسند کیا کہ اس نے نسبتاً اعلی شے کو چھوڑ کر ادنی کو اختیار کیا۔ اس لیے آپ نے اس کے لیے دعا کرنے کو پسند نہ کیا بلکہ اسے حکم دیا کہ وہ خود اپنے لیے دعا کرے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رافت و رحمت نے سائل کی دستگیری سے بالکلیہ اجتناب کو بھی پسند نہ کیا بلکہ اسے ایک ایسی دعا سکھادی کہ جس میں قبولیت کی زیادہ امید تھی۔ علامہ نور الدین سندھی رحمہ اللہ نے شرحِ سنن ابنِ ماجہ میں لکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو توسل کی تعلیم دیتے ہوئے یہ بتانا چاہتے تھے کہ میری شفاعت بھی گویا بمنزلہ دعا ہی کے ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دعا نہیں فرمائی بلکہ اس شخص کو خود دعا کرنے کی تلقین فرمائی۔(حاشیہ سندھی علی سنن ابنِ ماجہ)

دعا کے حصے

امام ملا علی القاری رحمہ اللہ اس دعا کی ترتیب واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"اس دعا میں پہلے تو اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے اس سے سوال کیا گیا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل(وسیلہ)اختیار کیا گیا جو خطاب ہی کے طریقے پر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو مخاطب کیا گیا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت(وسیلہ)قبول فرمانے کی دعا کی گئی۔

۱)اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبیِ رحمت محمد کے ذریعے سے"۔ ان الفاظ میں سوال اور دعا تو اللہ تعالیٰ سے ہے البتہ اللہ کی

جناب میں اپنی درخواست کی قبولیت کے لیے نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کو بطورِ وسیلہ پیش کیا گیا ہے۔

۲) يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ لِتُقْضَى لِيَ "اے محمد! میں آپ کی ذاتِ اقدس کا وسیلہ پکڑتا ہوں اپنی رب کی جناب میں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے"۔ ان الفاظ میں پہلی اہم چیز یا محمد کا صیغہ ہے۔ کسی خاص عقیدے کے تحت مثلًا یہ کہ نبی اکرم ﷺ اللہ کی طرح ہر جا موجود ہیں تو مخاطب کا صیغہ اس نیت سے استعمال کرنا تو جائز نہیں ہے البتہ محبت و تعظیم کے تحت مخاطب کا صیغہ استعمال کرنا جائز ہے۔ علامہ نور الدین السندھی لکھتے ہیں: "یا محمد کے الفاظ میں مقامِ شفاعت و سفارش میں نبی کریم ﷺ کو ان کے نام کے ساتھ پکارنا جائز ہے۔ اس لیے کہ یہ مقامِ تعظیم ہے اور دل میں آپ ﷺ کی یاد کا سبب بنتا ہے اور ان الفاظ میں دورانِ دعا آپ ﷺ کو اپنے قلب و ذہن میں حاضر سمجھنا اور آپ کو مخاطب کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح نماز کے دوران آپ ﷺ کا استحضار اور آپ سے خطاب جائز ہے۔ أَتَوَجَّهُ بِكَ "میں اللہ تعالی کی جناب میں آپ کے ذریعے سے درخواست گزار ہوں"۔ امام ملا علی القاری رحمہ اللہ ان الفاظ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہاں (ب) استعانت کا ہے۔ مستعانِ حقیقی اللہ ہی ہے جیساکہ ﴿إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ سے معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے استعانت کا صیغہ اپنے حقیقی معنوں میں صرف اللہ ہی کے لیے جائز ہے۔ البتہ کبھی استعانت مجازی معنی میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ اس مقام پر خطاب اور استعانت توسل کے معنی میں ہے جیساکہ شارحین نے وضاحت کی ہے۔ پہلے تو اللہ تعالی سے سوال کیا گیا، جو خطاب کے انداز میں ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ سے توسل کیا گیا جو خطاب ہی کے انداز میں ہے۔

۳) اللَّهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ "اے اللہ! نبی کریم ﷺ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما"۔ بعض علما نے ان الفاظ کی روشنی میں یہ احتمال ظاہر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس نابینا کے لیے دعا کی ہوگی اور اسی دعا کو یہاں شفاعت سے تعبیر کیا گیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا کی نہ ہو بلکہ صرف اسے دعا سکھا دی ہو کہ وہ خود دعا مانگ لے۔ اس صورت میں گویا نابینا صحابی نے رسول اللہ ﷺ کے توسل کو ہی ہی شفاعت قرار دیا اس لیے کہ آپ ﷺ کا توسل کی تعلیم دینا اور اس کے ساتھ دعا سکھانا بمنزلۂ شفاعت کے ہے۔

علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ نے فیض الباری میں توسل کی دو قسمیں بیان کی ہیں: ایک کو توسّلِ فعلی کہا ہے۔ وہ یہ صورت ہے کہ متوسَّل بہ (جس کے ذریعے سے توسل کیا جائے) دعا کرے۔ اور دوسری قسم توسلِ قولی ہے۔ وہ یہ کہ متوسِّل (توسل کرنے والا) متوسَّل کا نام لے کر اللہ کی جناب میں دعا کرے۔ حضرت رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی للہ عنہ کے عمل سے کہ انھوں نے قحط کے زمانے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی: إِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نبيِّنا فاسْقِنَا ''اے اللہ! ہم تیری جناب میں تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ پکڑتے ہیں، ہمیں بارشیں عطا فرما۔ پھر وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرماتے: قُمْ يا عبَّاس فاسْتَسْقِ اے عباس! کھڑے ہو جائیے اور اللہ سے بارش طلب کیجیے''۔ مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ توسلِ فعلی ہے جس میں متوسَّل، متوسِّل کی درخواست پر اس کے حق میں دعا کے ذریعے اس عمل میں شرکت کرتا ہے۔۔ جبکہ دوسرا توسّلِ قولی ہے جس میں توسُّل کرنے والا، متوسَّل کا نام لے کر اللہ کی جناب میں دعا کرتا ہے۔ نابینا صحابی والی روایت: اللّٰهُمَّ إني أتوجَّهُ إليكَ بنبيكَ محمَّدٍ نبيِّ الرّحمةِ سے توسلِ قولی ثابت ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد توسل

بعض لوگوں نے صرف نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں آپ سے توسل کو جائز قرار دیا لیکن صحیح یہ ہے کہ حدیثِ زیر مطالعہ کی ایک دوسری روایت بلکہ اس کے شانِ ورود سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی آپ ﷺ سے توسل کرنا جائز ہے۔ علامہ نور الدین سندھی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''حدیث شریف (زیرِ مطالعہ) نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں آپ کی ذاتِ مکرم سے توسل کرنے اور آپ کو اپنا وسیلہ اور شفیع بنانے کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ جہاں تک آپ کی وفات کے بعد کی بات ہے تو اس پر امام طبرانی کی روایت روشنی ڈالتی ہے''۔ جس روایت کی طرف علامہ نے اشارہ کیا وہ معجم الکبیر میں منقول ہے۔ امام طبرانی نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس روایت میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ ایک شخص کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کوئی حاجت درپیش تھی لیکن حضرت عثمان اس کی جانب التفات نہیں فرماتے

تھے۔ایک دن اس شخص نے حضرت عثمان بن حنیف رضِی اللہ عنہ سے خلیفۂ وقت کی شکایت کی تو حضرت عثمان بن حنیف رضِی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کل صبح کو وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور اس کے بعد یہ دعا کرو: اللهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي فَتَقْضِي لِي حَاجَتِي پھر اپنی حاجت کی تلاش کرو۔

اگلے دن وہ شخص یہ عمل کر کے حضرت عثمان بن عفان رضِی اللہ عنہ کی محفل میں گیا تو اس کی حاجت پوری کی گئی۔ واپسی پر اس شخص نے عثمان بن حنیف رضِی اللہ عنہ کا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے خلیفۂ وقت سے میری سفارش کی۔ تو انھوں نے بتایا کہ میں نے تو خلیفہ سے کوئی بات نہیں کی بلکہ یہ تو اس عمل کی برکت ہے جو میں نے آپ کو بتایا تھا۔ پھر حضرت عثمان بن حنیف نے نابینا صحابی کا پورا واقعہ بیان کیا۔ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ صحابیِ رسول حضرت عثمان بن حنیف رضِی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے انتقال کے بعد بھی توسل کے قائل تھے اور یہ واقعہ اس عمل کے مجرب و مشروع ہونے کی بھی ایک دلیل ہے۔

*****

صوفی جمیل الرحمن عباسی

مدیر ماہنامہ مفاہیم کراچی

برکت و تبرکِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت و ذات تو بابرکت ہے ہی لیکن اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے جڑی ہر چیز بھی باعثِ برکت ہے۔ چنانچہ آپ کا وجودِ گرامی آپ کے اعضاے مبارکہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آثار و افعال برکت کا منبع ہیں۔ اس برکت میں مادی و معنوی دونوں قسم کی برکتیں شامل ہیں۔ چنانچہ آج کی مجلس میں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات کے بیان کے ذریعے تبرک حاصل کرتے ہیں۔

ایامِ رضاعت و بچپن کی برکات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑے دنوں کے تھے کہ دستورِ عرب کے مطابق قبیلہ سعد بن بنو بکر کی خواتین مکہ میں آئیں تاکہ رضاعت کے لیے بچے حاصل کر سکیں۔ ان خواتین میں حلیمہ بنت ابی ذویب بھی تھیں جو ایک لاغر سواری پر تھیں جس کی وجہ سے وہ دوسری خواتین سے پیچھے رہ گئیں اور سب کے بعد پہنچیں۔ انھی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے حصے میں آمنہ کے لعل حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ ان دنوں بنو بکر کے علاقے میں بارشوں اور خوراک کی کمی تھی جس کی وجہ سے ان کے جانوروں میں دودھ کی پیداوار کم تھی۔ خواتین کی صحت بھی قابلِ رشک نہ تھی اور ان کے بچے بھی ماؤں کے دودھ کی قلت کا شکار رہتے تھے۔ بہرحال حلیمہ سعدیہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماں کے پاس سے لے کر اپنے خیمے میں گئیں تو انھیں اپنا دودھ

پلایا۔ آپ ﷺ نے پہلے دودھ پیا اور آپ کے چھوڑنے کے بعد آپ ﷺ کے دودھ شریک بھائی نے سیر ہو کر دودھ پیا اور دونوں شیر خوار بچے سکون کی نیند سو گئے۔ سیدہ کے خاوند بکری کی طرف گئے تو دیکھا کہ اس کے تھن دودھ سے تنے ہوئے ہیں۔ پس دونوں نے خوب سیراب ہو کر دودھ پیا اور رات آسودگی کی نیند میں بسر کی۔ سیدہ کا بیان ہے کہ اس سے پہلے ہم رات کو بچے کے جاگتے رہنے کی وجہ سے سو نہ سکتے تھے لیکن آج جب بچوں اور بڑوں کو دودھ وافر میسر ہوا تو سبھی کو نیند کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ سیدہ کے شوہر ان سے کہنے لگے: واللهِ يا حَلِيمَةُ، لَقَدْ أَخَذْتِ نَسَمَةً مُبَارَكَةً ''خدا کی قسم اے حلیمہ تم نے ایک مبارک روح پائی ہے''۔ اگلے دن بنو سعد بن بکر کا یہ قافلہ اپنے علاقے کی طرف روانہ ہوا تو سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کی سواری سب سے آگے آگے تھی۔ ان کی ساتھی عورتیں کہنے لگیں: اری ذرا رک تو سہی، کیا یہ وہی لاغر سواری نہیں ہے جس پر تم آئی تھیں؟ حلیمہ کہتیں: ہاں ہاں یہ وہی سواری ہے۔ اب عورتیں کہنے لگیں: خدا کی قسم اب تو اس کی شان ہی نرالی ہے۔ یہ خواتین اپنے علاقے میں پہنچ گئیں۔ اس وقت وہاں سبزے کی قلت تھی لیکن سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کے جانور سیر ہو کر بھرے پرے آتے اور تھن ان کے دودھ سے بھرے رہتے۔ باقی لوگوں کو چارہ نہ ملتا اور ان کے جانوروں کے تھن سوکھے رہتے لیکن حلیمہ اور ان کے گھر والے جانوروں کا دودھ نکالتے اور سیر ہو کر پیتے۔ لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے کہ اپنی بکریوں کو وہاں چرایا کرو جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں۔ انھیں کیا اندازہ کہ یہ تو سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئے ہوئے ننھے مہمان کی برکتیں ہیں۔ سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہمیں اللہ تعالی آپ کی برکتیں دکھاتا رہا اور ان کی پہچان کرواتا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ دو سال کی عمر کو پہنچ گئے اور آپ کا دودھ چھڑا دیا گیا۔ آپ کی پرورش دوسرے بچوں سے زیادہ تیزی سے ہوتی تھی۔

مدتِ رضاعت کے اختتام پر سیدہ حلیمہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ محترمہ آمنہ بنت وہب کے پاس مکہ میں حاضر ہوئیں۔ ان دنوں مکہ میں بیماری پھیلی ہوئی تھی۔ سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا نے تجویز دی کہ وبا سے تحفظ کے لیے بہتر ہوگا کہ بچے کو ہم واپس لے جائیں۔ حضرت آمنہ اس پر راضی ہو جاتی ہیں۔ سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا اپنی اس کوشش کے بارے میں بیان کرتی ہیں: نَحْنُ أَحْرَصُ شَيْءٍ عَلَى مُكْثِهِ فِينَا، لِمَا كُنَّا نَرَى مِنْ بَرَكَتِهِ ''ہم یہ حرص رکھتے تھے کہ محمد مزید

ہمارے پاس رہیں کیونکہ ہم نے ان کی برکتیں دیکھ رکھی تھیں"۔اب کے واپسی کے کچھ عرصے بعد حضور کریم ﷺ کے ساتھ شقِّ صدر کا واقعہ پیش آیا جس سے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کو خوف ہوا کہ کہیں آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کو لے کر ان کی والدہ کے پاس پہنچ گئیں جبکہ آپ کی عمر شریف پانچ سال ہو چکی تھی۔ حضرت آمنہ نے واپس آنے کی وجہ دریافت کی تو حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے پہلے تو ٹال مٹول سے کام لیا لیکن پھر شقِّ صدر کا واقعہ بیان کر کے عرض کر کے اپنے خوف کا اظہار کیا تو حضرت آمنہ نے کہا کہ میرا بچہ عظیم الشان ہے اور شیطان کو اس پر غلبہ نہ دیا جائے گا۔ بہرحال رسول کریم ﷺ اپنی والدہ محترمہ کے پاس رہنے لگے۔(اللؤلؤ المكنون في سيرة النبي المأمون موسى بن راشد العازمي الكويت)

دستِ رسول ﷺ کی برکت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا اشْتَكَى نَفَثَ عَلَى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ، وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهِ، فَلَمَّا اشْتَكَى وَجَعَهُ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ، طَفِقْتُ أَنْفِثُ عَلَى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِي كَانَ يَنْفِثُ، وَأَمْسَحُ بِيَدِ النَّبِيِّ ﷺ عَنْهُ (صحیح بخاری) "جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوتے تو خود پر معوذات پڑھ کر دم فرماتے اور اپنے ہاتھ اپنے جسم پر پھیرتے۔ جب آپ ﷺ مرضِ وفات میں مبتلا ہوئے تو میں بھی آپ ہی کی طرح معوذات پڑھ کر آپ ﷺ پر دم کیا کرتی البتہ آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کے جسم پر پھیرا کرتی"۔ یہ ایک خاص بات ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے اور آیاتِ قرآنی ان سے نہ پڑھی جاتیں تب آیات تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تلاوت کرتیں لیکن اپنا ہاتھ پھیرنے کے بجائے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کے جسم پر پھیرتیں۔اس کی وجہ یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ کی برکت و تاثیر سیدہ کے ہاتھ سے کہیں زیادہ تھی۔ اسی برکت کی امید پر سیدہ دم تو خود کرتیں لیکن ہاتھ رسول اللہ ﷺ کا استعمال کرتیں۔ ایک روایت میں آپ اپنے اس عمل کی وجہ خود بیان کرتی ہیں: كُنْتُ أَقْرَأُ عَلَيْهِ وَأَمْسَحُ بِيَدِهِ رَجَاءَ بَرَكَتِهَا (صحیح بخاری) "میں آپ پر آیات پڑھ کر دم کرتی اور آپ ﷺ کے ہاتھ کی برکت کی امید پر

آپ کے جسد پر آپ کا ہاتھ پھیرتی‘‘۔اس سے معلوم ہوا کہ الفاظِ قرآنی کی برکت و تاثیر اپنی جگہ لیکن رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ کی ایک اپنی خاص برکت بھی تھی۔

حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: لَمَّا فَتَحَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ مَكَّةَ، جَعَلَ أَهْلُ مَكَّةَ يَأْتُونَهُ بِصِبْيَانِهِمْ فَيَدْعُو لَهُمْ بِالْبَرَكَةِ وَيَمْسَحُ رُءُوسَهُمْ (سنن ابی داوٗد) ’’جب نبی اکرم ﷺ نے مکہ فتح کیا تو اہلِ مکہ اپنے بچے آپ ﷺ کے پاس لے کر آنے لگے۔آپ ان کے لیے دعا فرماتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے‘‘۔

رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک کی روحانی تاثیر

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو میں نے ایک شخص کو قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔جس قراءت سے میں نے قرآن پڑھ رکھا تھا، وہ اس کے خلاف پڑھ رہا تھا، تو میں نے سمجھا کہ وہ غلط پڑھ رہا ہے۔مجھے اس کا پڑھنا برا لگا کہ میری سیکھی ہوئی قراءت کے برعکس پڑھ رہا تھا۔اتنے میں ایک اور شخص داخل ہوا اور اس نے بھی تلاوت شروع کر دی اور اس کا طریقہ بھی الگ ہی تھا۔پس جب وہ فارغ ہوئے تو میں انھیں لے کر رسول للہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور پوری بات آپ کے سامنے رکھی۔آپ ﷺ نے باری باری دونوں سے تلاوت سنی اور دونوں کی تحسین فرمائی۔فَسُقِطَ فِي نَفْسِي مِنَ التَّكْذِيبِ وَلاَ إِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ ’’پس میرے دل میں تکذیب نے گھر بنانا شروع کیا اور ایسی تکذیب کہ جتنی ایامِ جاہلیت میں بھی نہ محسوس کی تھی‘‘۔ایک روایت کے مطابق ابی ابن کعب فرماتے ہیں: فَمَا تَخَلَّجَ فِي نَفْسِي مِنَ الْإِسْلَامِ مَا تَخَلَّجَ يَوْمَئِذٍ ’’اسلام سے جتنی بے رغبتی میرے دل میں اس دن پیدا ہوئی تھی اتنی کبھی پیدا نہ ہوئی تھی‘‘۔رسول اللہ ﷺ نے میری حالت کو پہچان لیا۔فَضَرَبَ فِي صَدْرِي فَفِضْتُ عَرَقًا وَكَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فَرَقًا ’’تو آپ ﷺ نے میری سینے پر ایک ضرب لگائی تو میرا پسینہ پھوٹ نکلا اور یوں محسوس ہوا کہ گویا میں اللہ کی طرف ڈرتے ڈرتے دیکھ رہا ہوں‘‘۔ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں: فَضَرَبَ بِيَدِهِ فِي صَدْرِي، فَذَهَبَ ذَاكَ، فَمَا

وَجَدْتُ مِنْهُ شَيْئًا بَعْدُ ”پس آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک کی ضرب میرے سینے پر لگائی تو میری وہ کیفیت دور ہوگئی اور اس کے بعد میں نے ویسی کیفیت کبھی نہیں پائی“۔(صحیح مسلم، مسند احمد)علامہ طیبی شرح مشکاۃ میں لکھتے ہیں: وَكَانَ أُبَيٌّ مِنْ أَكَابِرِ الصَّحَابَةِ، وَكَانَ مَا وَقَعَ لَهُ نَزْغَةٌ مِنْ نَزَغَاتِ الشَّيْطَانِ، فَلَمَّا نَالَهُ بَرَكَةُ يَدِ النَّبِيِّ ﷺ زَالَ عِنْدَ الْغَفْلَةِ وَالْإِنْكَارِ وَصَارَ فِي مَقَامِ الْحُضُورِ وَالْمُشَاهَدَةِ ”باوجودیہ کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ میں سے ہیں، انھیں شیطان کی وسوسہ اندازی کا سامنا کرنا پڑا۔لیکن جب انھیں نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ کی برکت حاصل ہوئی تو (وقتی پائی جانے والی) غفلت وانکار ان سے دور ہوگیا اور وہ مقامِ حضوری اور مشاہدۂ حق میں مشغول ہوگئے“۔

فتحِ مکہ کے موقعے پر نبی کریم ﷺ فضالہ بن عمیر اللیثی کے پاس سے گزرے جو رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی فکر میں غلطاں تھے۔رسولِ پاک ﷺ نے ان سے پوچھا: ”تم دل میں کیا سوچ رہے ہو؟“ انھوں نے جواب دیا: کچھ نہیں، بلکہ میں اللہ کو یاد کر رہا ہوں۔نبی کریم ﷺ مسکرائے اور فرمایا: «أستغفر الله لك» ”میں اللہ کی جناب میں تیرے لیے بخشش کی دعا مانگتا ہوں“۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک ان کے سینے پر رکھ دیا جس سے فضالہ کے قلب کی کایا پلٹ گئی، کہتے ہیں: واللهِ ما رَفَعَ يَدَهُ عَنْ صَدْرِي حَتّى ما أَجِدُ عَلى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَبَّ إِلَيّ مِنْه ”خدا کی قسم رسولِ خدا نے اپنا ہاتھ نہیں اٹھایا یہاں تک کہ میرے دل نے محسوس کیا کہ روے ارضی پر آپ ﷺ سے زیادہ محبوب مجھے کوئی نہیں ہے“۔ (الإصابة في تمييز الصحابة)

حضرت شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ جنگِ حنین میں مسلمانوں کی فوج میں شامل ہوگئے تھے لیکن ابھی سچے دل سے ایمان نہیں لائے تھے۔کہتے ہیں کہ میں تو ہوازن کے ہاتھوں مسلمانوں کی شکست کا تماشا دیکھنے گیا تھا۔نبی کریم ﷺ نے ان کے کفر کو پہچان لیا۔آپ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور دعا فرمائی «اللهُمَّ اهْدِ شَيْبَةَ» ”اے اللہ! شیبہ کو ہدایت دے“۔آپ نے تین بار یہ عمل کیا کہ شیبہ کو سچ مچ کے ایمان کی توفیق ہوئی اور وہ صحابیت کے مقام پر فائز ہوگئے۔آپ رضی اللہ عنہ اپنی کیفیت کو یوں بیان کرتے تھے: فَوَاللهِ مَا رَفَعَ يَدَهُ مِنْ صَدْرِي مِنَ الثَّالِثَةِ حَتَّى مَا كَانَ أَحَدٌ مِنْ خَلْقِ

اللهِ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْهُ(المعجم الکبیر)''خدا کی قسم تیسری بار ہاتھ مار کر ابھی رسول اللہ ﷺ نے اٹھایا نہیں تھا کہ آپ کی محبت میرے دل میں داخل ہوگئی اور میں نے جانا کہ اللہ کی مخلوق میں کوئی مجھے آپ ﷺ سے بڑھ کر محبوب نہیں ہے''۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں اپنی قوم کو امامت کرایا کروں۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنے اندر کچھ کمزوری پاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے مجھے نزدیک آنے کا حکم دیا اور اپنے سامنے بٹھالیا۔ پھر آپ ﷺ نے میرے پستانوں کے درمیان سینے پر ہاتھ رکھا اور پھر مجھے دوسری طرف منہ کرنے کا حکم دیا اور میرے کندھوں کے درمیان پشت پر ہاتھ رکھا فرمایا: «أُمَّ قَوْمَكَ...» ''اپنی قوم کو امامت کراؤ''(صحیح مسلم)امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: أَنَّهُ أَرَادَ الْخَوْفَ مِنْ حُصُولِ شَيْءٍ مِنَ الْكِبْرِ وَالْإِعْجَابِ لَهُ بِتَقَدُّمِهِ عَلَى النَّاسِ فَأَذْهَبَهُ اللهُ تَعَالَى بِبَرَكَةِ كَفِّ رسول اللهِ ﷺ وَدُعَائِهِ وَيَحْتَمِلُ أَنَّهُ أَرَادَ الْوَسْوَسَةَ فِي الصَّلَاةِ... ''صحابی کو تکبر اور عجب کا خطرہ محسوس ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ کی برکت اور دعا کے سبب اس خوف کا ازالہ ہوگیا اور ممکن ہے کہ ان کو نماز میں وسوسے کا اندیشہ لاحق ہوا ہو... ''۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: أَرَى فِي نَفْسِي مَا لَا أَسْتَطِيعُ عَلَى شَرَائِطِ الْإِمَامَةِ وَإِيفَاءِ حَقِّهَا لِمَا فِي صَدْرِي مِنَ الْوَسَاوِسِ، وَقِلَّةِ تَحَمُّلِي الْقُرْآنَ وَالْفِقْهَ، فَيَكُونُ وَضْعُ الْيَدِ عَلَى ظَهْرِهِ وَصَدْرِهِ لِإِزَالَةِ مَا يَمْنَعُهُ مِنْهَا وَإِثْبَاتِ مَا يُقَوِّيهِ عَلَى احْتِمَالِ مَا يَصْلُحُ لَهَا مِنَ الْقُرْآنِ وَالْفِقْهِ(مرقاۃ)''صحابی کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں اپنے اندر امامت کی شرائط اور اس کے حق ادا کرنے کی صلاحیت نہیں پاتا کیونکہ میرے دل میں وساوس پیدا ہوتے ہیں یا میرے پاس قرآن اور فقہ کا اتنا علم نہیں ہے۔ پس آپ ﷺ کے ہاتھ رکھنے کے سبب ان کے اس وسوسے کا ازالہ ہوگیا بلکہ انھیں ایک ایسی صلاحیت اور اہلیت حاصل ہوگئی جو قرآن اور فقہ سیکھنے کے لائق تھی''۔

دستِ مبارک کی طبعی تاثیر

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک مہم پر روانہ ہونے کا حکم دیا تو

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں گھوڑے پر جم کر بیٹھ نہیں سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور دعا کی: «اللَّهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا» "اے اللہ! اسے ثابت رکھ اور اسے ہدایت والا اور ہدایت سکھانے والا بنا دے"۔ آپ ﷺ کے دستِ مبارک کی تاثیر بیان کرتے ہوئے صحابی کہتے ہیں: رَأَيْتُ أَثَرَ يَدِهِ فِي صَدْرِي "میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ کی تاثیر اپنے سینے میں محسوس کی" اور اس کا نتیجہ بتاتے ہیں: فَمَا وَقَعْتُ عَنْ فَرَسِي بَعْدُ "اس کے بعد میں کبھی گھوڑے سے نہیں گرا"۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ جب گستاخِ رسول ابو رافع یہودی کو قتل کر کے واپس آئے تو ایک اونچی جگہ سے چھلانگ لگانے پر آپ کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ جب انھوں نے اپنی کامیابی کی خبر کے ساتھ اپنی ٹانگ ٹوٹنے کی خبر سنائی تو آپ ﷺ نے انھیں ٹانگ سیدھی کرنے کا حکم دیا پھر آپ نے ان کی ٹانگ پر ہاتھ پھیرا۔ صحابی کہتے ہیں: فَكَأَنَّهَا لَمْ أَشْتَكِهَا قَطُّ "میری ٹانگ ایسے ہوگئی گویا کبھی اس میں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں"۔ (صحیح بخاری باب قتل ابی رافع)

آپ ﷺ کے دھوون سے تبرک

جن اعضاے شریفہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت دی گئی ہے، ان سے مس کرنے والا پانی بھی مبارک بن جاتا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اپنے اعضاے مبارکہ کو دھونے والا پانی لوگوں کو دیا کرتے تھے:

نبی کریم ﷺ نے ایک برتن میں ہاتھ مبارک اور چہرہ انور دھویا اور اسی میں کلی فرمائی اور ابو موسی اشعری اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہما کو وہ برتن عطا کیا اور فرمایا: «اشْرَبَا مِنْهُ وَأَفْرِغَا عَلَى وُجُوهِكُمَا وَنُحُورِكُمَا وَأَبْشِرَا» "اس میں سے تم دونوں پی لو اور کچھ اپنے چہرے اور گردنوں پہ ڈال لو اور خوش ہو جاؤ"۔ ان دونوں نے ایسا ہی کیا۔ پردے کے پیچھے سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا دیکھ رہی تھیں۔ انھوں نے آواز لگائی أَفْضِلاَ لأُمِّكُمَا "کچھ اپنی والدہ کے لیے بھی بچا لو"۔ چنانچہ انھوں نے کچھ ان کے لیے بچا لیا۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث میں حضرت ابو موسی اشعری حضرت بلال اور ام سلمہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت ہے اور اس سے دوسروں کو بشارت دینے کا استحباب اور متبرک چیزوں پر جمع ہونا ان کی طلب کرنا اور ان میں دوسروں کو شریک کرنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے''۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ جَاءَ خَدَمُ الْمَدِينَةِ بِآنِيَتِهِمْ فِيهَا فَيَغْمِسُ الْمَاءُ فَمَا يُؤْتَى بِإِنَاءٍ إِلاَّ غَمَسَ يَدَهُ فِيهَا فَرُبَّمَا جَاءُوهُ فِي الْغَدَاةِ الْبَارِدَةِ يَدَهُ فِيهَا ''جب رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھ لیتے تو اہلِ مدینہ کے خادم ہاتھوں میں پانی کے برتن لیے حاضر ہوتے اور نبی کریم ﷺ (برکت کے لیے) اپنے ہاتھ اس پانی میں ڈبو دیتے اور بعض اوقات وہ سردی والی صبح میں آتے تو پھر بھی آپ ﷺ اپنا ہاتھ ڈال دیتے۔ (صحیح مسلم)

جاری ہے

*****

مولانا محمد شفیع قاسمی بھٹکلی

ناظم ادارہ رضیۃ الابرار، بھٹکل

ولادتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ۱۲ ربیع الاوّل اور وفات ۲ ربیع الاوّل: ایک تحقیق

قدیم زمانے سے یہ بات مشہور و معروف ہے کہ آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیدائش پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ اور ۱۲ ربیع الاوّل کو برصغیر میں حکومت کی طرف سے چھٹیاں بھی ہوتی ہیں، مگر افسوس کہ کچھ لوگ تاریخِ ولادت کے بارے میں ایک مہم چلائے ہوئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش ۱۲ ربیع الاول کو نہیں ہوئی؛ بلکہ آٹھ (۸) یا نو (۹) کو ہوئی، اور کچھ مصنفین کے اقوال دلیل میں پیش کرتے ہیں؛ مگر سچ بات یہ ہے کہ جمہور علماء اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی تاریخ پیدائش ۱۲ ربیع الاول ہی ہے، سیکڑوں علما کے اقوال کتابوں میں موجود ہیں۔ لہٰذا صحیح تاریخ ولادت کے متعلق علمائے امت کے اقوال کا نقل کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی پیدائش ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔

مشہور مؤرخ امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وُلِدَ رسولُ اللهِ ﷺ يومَ الإثْنَيْنِ لِاثْنَتَيْ عَشَرَةَ (۱۲) ليلةَ خَلَتْ مِنْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْأَوّلِ عَامَ الْفِيلِ (السيرة النبوية لابْنِ هشام ۱/۲۸۴، تاريخُ الطّبري ۲/۱۰۶، مستدرک حاکم ۴۱۸۶، شعب الإيمان للبيهقي ۱۳۲۴، الكامل في التاريخ لابن الاثیر ۱/۲۱۶) ”رسول اللہ ﷺ کی پیدائش ربیع الاول کی بارھویں رات عامِ فیل (۵۷۱ عیسوی) میں ہوئی“۔

مشہور مؤرخ و محدث امام ابوحاتم بن حبان رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۵۴ ہجری) لکھتے ہیں: وُلِدَ النّبيُ ﷺ عامَ الْفِيلِ يَوْمَ الْإثنين لِاثْنَتَيْ عَشَرَةَ (۱۲) ليلةَ مَضتْ مِنْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْأَوّلِ- (السيرة لابن حبان ۱/۳۳) "رسول اللہ ﷺ کی پیدائش ربیع الاول کی بارھویں رات عامِ فیل (۵۷۱ عیسوی) میں ہوئی"۔

امام ابوالحسن ماوردی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۵۰ ہجری) لکھتے ہیں: وُلِدَ بَعْدَ خَمْسِيْنَ يوماً مِنَ الْفِيلِ وبَعْدَ مَوتِ أبيهِ في يَومِ الإثنَيْنِ عَشَرَ مِنْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْأَوّلِ (أعلام النبوة: ۱/۲۳۰) "رسول اللہ ﷺ کی پیدائش اپنے والد کے انتقال کے بعد اور واقعہ فیل کے پچاس دن بعد پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی"۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۲۳ ہجری) لکھتے ہیں: والمشهورُ أنّه وُلِدَ يومَ الإثنينِ ثانيَ عَشَرَ (۱۲) شَهْرِ رَبِيْعِ الْأَوّلِ، وهُوَ قولُ ابْنِ إسْحَاقَ وغيرِهٖ- (المواهِبُ اللّدُ نِّية بِالْمَنْحِ الْمُحَمَّدِيَّة ۱/۸۰) "مشہور قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول پیر کے دن ہوئی۔ اور یہی قول حضرت ابنِ اسحاق (تابعی) وغیرہ کا ہے۔

شیخ محمد بن عمر بحرقی حضرمی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۳۰ ہجری) لکھتے ہیں: قال علماءُ السِّيَر: وُلِدَ النّبيُ ﷺ في رَبِيْعِ الْأَوّلِ يومَ الإثنينِ بِلا خِلافٍ ثُمَّ قالَ الأَكْثَرُوْنَ: ليلةَ الثّاني عَشَرَ (۱۲) منه- (حدائق الأنوار و مطالع الأسرار ۱/۱۰۵) "علماے سیرت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش ربیع الاول کے مہینے میں پیر کے دن ہوئی، اور جمہور علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ تھی"۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۰۳۱ ہجری) لکھتے ہیں: الأَصَحُّ أَنّهٗ وُلِدَ بِمَكّةَ بِالشِّعْبِ بَعْدَ فَجْرِ الْإثنينِ ثانيَ عَشَرَ رَبِيْعِ الْأَوّلِ عامَ الْفِيْلِ (فيض القدير ۳/۵۷۳) "صحیح بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بارہ ربیع الاول کی صبح شعبِ مکہ میں واقعہ فیل کے سال پیر کے دن پیدا ہوئے"۔

علامہ ابوعبداللہ محمد زرقانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ ۱۱۲۲ھجری) المواھب اللدنیۃ کی شرح میں لکھتے ہیں: والمشهورُ أنّه وُلِدَ يومَ الإثنينِ ثانيَ عَشَرَ رَبِيْعِ الْأَوّلِ، وهُوَ قولُ محمدِ بْنِ إسْحَاقَ بن يسار إمام المغازي، وقول (وغيره) قال ابنُ كثيرٍ: وَهُوَ الْمَشْهُورُ عِنْدَ الْجَمْهُورِ، وبالغَ ابنُ الجوزي وابن الْجَزّار فنقلَا فيه الْإجْماعَ-(شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ۱/۲۴۸) ”مشہور قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی ولادت بارہ (۱۲) ربیع الاول پیر کے دن ہوئی۔ اور یہی قول مغازی اور سیرت کے امام حضرت محمد بن اسحاق بن یسار (تابعی) اور دیگر اہلِ علم کا ہے۔ علامہ ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ جمہور کا یہی قول ہے، علامہ ابن جوزی اور ابن جزار نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ ۱۳۶۲ ہجری) لکھتے ہیں: ”جمہور کے قول کے موافق بارہ (۱۲) ربیع الاول تاریخِ ولادتِ شریفہ ہے“۔(إرشاد العباد في عيد الميلاد، ص:۵)

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ ۱۳۷۳ ہجری) لکھتے ہیں: ”پیدائش ۱۲ تاریخ، ربیع الاول کے مہینے میں پیر کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو اکہتر (۵۷۱) برس بعد ہوئی۔ سب گھر والوں کو اس بچے کے پیدا ہونے سے بڑی خوشی ہوئی“۔(رحمتِ عالم، ص:۱۵)

حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند و مفتیٔ اعظم (متوفیٰ ۱۳۹۶ ہجری) پاکستان لکھتے ہیں: ”الغرض جس سال اصحابِ فیل کا حملہ ہوا، اس کے ماہ ربیع الاول کی بارھویں تاریخ روزِ دوشنبہ دنیا کی عمر میں ایک نرالا دن ہے کہ آج پیدائشِ عالَم کا مقصد، لیل ونہار کے انقلاب کی اصل غرض، آدم علیہ السلام اور اولادِ آدم کا فخر، کشتیٔ نوح علیہ السلام کی حفاظت کا راز، ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور موسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئی کا مصداق یعنی ہمارے آقائے نامدار محمد ﷺ رونق افروزِ عالم ہوتے ہیں“۔(سیرتِ خاتم الانبیاء، ص:۱۱)

مولانا سید ابوالاعلی مودودی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ ۱۳۹۹ ہجری) لکھتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ کی پیدائش ربیع الاول میں ہوئی،

ولادت پیر کے روز ہوئی، یہ بات خود رسول اللہ ﷺ نے ایک اعرابی کے سوال پر بیان فرمائی، (صحیح مسلم بروایت قتادہ)، ربیع الاول کی تاریخ کون سی تھی؟ اس میں اختلاف ہے؛ لیکن ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپ ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہوئے تھے، اسی کی تصریح محمد بن اسحاق نے کی ہے، اور جمہورِ اہلِ علم میں یہی تاریخ مشہور ہے"۔ (سیرتِ سرورِ عالم ﷺ، جلد: دوم، صفحہ: ۹۳، ۹۴)

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند (متوفیٰ ۱۴۱۷ ہجری) لکھتے ہیں: "حضرت عبداللہ کی شادی حضرت آمنہ بنت وہب سے ہوئی، جو بنی زہرہ کے خاندان سے تھیں، اس مبارک و مسعود شادی کے بعد شہرِ مکہ میں حضرت آمنہ کے بطن سے دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۰/اپریل ۵۷۱ عیسوی کی صبح وقت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادتِ باسعادت ظہور پذیر ہوئی"۔ (گلدستۂ سلام، ص: ۱۸)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۴۲۰ ہجری) لکھتے ہیں: وَوُلِدَ رسولُ الله ﷺ یومَ الإثنينِ اليومَ الثّاني عَشَرَ مِنْ شَهْرِ ربيعِ الأولِ، عامَ الْفِيلِ أَسْعَدَ يومٍ طَلَعَتْ فيهِ الشَّمْسُ-(السيرةُ النبوية، ص: ۱۱۱)

فتاویٰ لجنہ دائمہ میں ہے: وُلِدَ النّبيُ ﷺ یومَ الإثنين لاثنتي عشرةَ(١٢)ليلةَ مَضَتْ مِنْ شَهْرِ ربيعِ الأولِ، عامَ الْفِيلِ-(فتاویٰ اللجنةِ الدائمةِ، فتویٰ رقم ۳۴۷۴) "رسول اللہ ﷺ کی پیدائش ربیع الاول کی بارھویں رات عامِ فیل (۵۷۱ عیسوی) میں ہوئی"۔

طوالت کے خوف سے صرف پندرہ علما کے اقوال پر اکتفا کیا گیا ہے۔ نو (۹) ربیع الاول کے قول کی تردید میں مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سیرتِ خاتم الانبیاء کے حاشیے میں اس طرح لکھا ہے: مشہور قول بارھویں (۱۲) تاریخ کا ہے۔ یہاں تک کہ ابن الجزار نے اس پر اجماع نقل کر دیا ہے، اور اسی کو کامل ابن اثیر میں اختیار کیا گیا ہے، اور محمود پاشا علی مصری نے جو نویں تاریخ کو بذریعہ حساب اختیار کیا ہے، یہ جمہور کے خلاف بے سند قول ہے اور حسابات پر بوجہِ

اختلاف مطابع ایسا اعتماد نہیں ہوسکتا ہے کہ جمہور کی مخالف اس بنا پر کی جائے۔(حاشیہ سیرتِ خاتم الانبیاء، ص:۱۱)

محمود پاشا صاحب نے حساب سے ۹ ربیع الاول، عام فیل کو پیر کا دن قرار دیا ہے، یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے، ہمارے حساب سے ۱۲ ربیع الاول، عامِ فیل مطابق ۲۳ اپریل ۵۷۱ عیسوی کو پیر کا دن پڑتا ہے۔ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض اہلِ تحقیق نے اسے ۲۳ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق قرار دیا ہے۔(سیرتِ سرورِ عالَم، جلد: دوم، صفحہ:۹۴) بعضوں نے البدایۃ والنہایۃ کے حوالے سے ۸ ربیع الاول کو راجح لکھا ہے۔ شاید بدایۃ میں پوری بحث پڑھنے کی ان کو فرصت نہیں ملی، اسی بدایۃ میں: قيل لِثِنْتَي عشرةَ...وهذا هو المشهورُ عند الجمهورِ لکھا ہوا ہے۔ اس میں صاف طور پر لکھا ہے کہ بارہ (۱۲) ربیع الاول کا قول جمہور کا قول ہے۔ رہا روایت میں الثامن عشر کا لفظ، بارہ ربیع الاول کے مخالف لوگوں کی مہربانی یا کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ مصنف ۱۲ ربیع الاول کے قول کی دلیل میں یہ روایت نقل کر رہے ہیں، ۱۲ ربیع الاول کے قول میں ۱۸ کی روایت نقل کرنا مصنف کے مدعا کے خلاف ہے، نیز مصنف نے اپنی دوسری کتاب السيرة النبوية میں اسی روایت کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: عن جابرٍ وَابْنِ عباسٍ أنّهما قالا: وُلِدَ رسولُ اللهِ ﷺ عامَ الفيلِ يومَ الإثنينِ الثانيَ عَشَرَ مِنْ شَهْرِ رَبيعِ الْأَوّلِ... نیز البدایۃ والنہایۃ کے مکتبۃ المعارف بیروت سے شائع ہونے والے نسخے کے حاشیے میں اس طرح لکھا ہے: كذا رأَيْتُهُ الثّامنَ عشرَ، والصَّوابُهُ الثّانيَ عَشَرَ- لہٰذا اہلِ علم حضرات سے گذارش ہے کہ کسی ایک کتاب کو دیکھ کر فیصلہ نہ کریں بلکہ دوسری کتابوں سے بھی تحقیق کریں۔ آج کل حدیث کی کتابوں میں تحریف و تبدیل کا سلسلہ جاری ہے۔ شاملہ کے ایک نسخے میں حدیث کے الفاظ دوسرے شاملہ کے الفاظ سے مختلف یا حذف ہیں۔ ہمارے خیال میں جس وقت آپ ﷺ مکہ میں پیدا ہوئے، اس وقت مکہ میں ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ تھی، اور دوسرے علاقوں میں دوسری تاریخ تھی، کیونکہ قمری تاریخ، مختلف ممالک میں مختلف ہوتی ہے۔ غرض جس دن آپ ﷺ پیدا ہوئے اس وقت مکہ میں ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ تھی۔ لہٰذا صحیح مشہور اور راجع قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی پیدائش ۱۲ ربیع الاول ہی کو ہوئی۔

رہا ۱۲ ربیع الاول کو تاریخِ وفات کہنا! کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات پیر کے دن ہوئی، اور صحیح بخاری ہی کی روایت میں منقول ہے کہ حجتہ الوداع کے موقعے پر عرفہ کا دن جمعے کا دن تھا، اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عرفہ کے اکیاسی (۸۱) دن کے بعد آپ ﷺ کی وفات ہوئی۔ اس حساب سے ۱۲ ربیع الاول کو پیر کا دن کسی طرح نہیں پڑتا ہے، لہٰذا علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی رائے کو ماننا پڑے گا کہ آپ کی وفات دو (۲) ربیع الاول بروز پیر کو ہوئی۔

علامہ سہیلی (متوفیٰ ۵۷۱ھ) نے روض الانف میں، علامہ تقی الدین ابن تیمیہ (متوفیٰ ۷۲۸ھ) نے منہاج السنۃ میں، علامہ شبلی نعمانی نے سیرت النبی ﷺ میں یکم ربیع الاول لکھا ہے۔ اور علامہ مغلطائی، علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے فتح الباری میں، شیخ محمد بن عمر بحرقی حضرمی شافعی (متوفیٰ ۹۳۰ ہجری) نے حدائق الانوار میں، مفتی محمد شفیع دیوبندی (مفتیٔ اعظم پاکستان) نے سیرتِ خاتم الانبیاء میں، میاں عابد احمد نے شانِ محمد ﷺ میں دوم ربیع الاول لکھا ہے۔ سیرتِ خاتم الانبیاء کے حاشیے میں لکھا ہے: تاریخِ وفات میں مشہور یہ ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کو واقع ہوئی اور یہی جمہور مورخین لکھتے چلے آئے ہیں، لیکن حساب سے کسی طرح بھی یہ تاریخِ وفات نہیں ہو سکتی ہے، کیوں کہ یہ بھی متفق علیہ اور یقینی امر ہے کہ وفات دوشنبہ کو ہوئی اور یہ بھی یقینی ہے کہ آپ کا حج ۹/ذی الحجہ بروز جمعے کو ہوا۔ ان دونوں باتوں کے ملانے سے ۱۲ ربیع الاول روزِ دوشنبہ میں نہیں پڑتی۔ اسی لیے حافظ ابن حجر نے شرحِ صحیح بخاری میں طویل بحث کے بعد اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ تاریخِ وفات دوسری ربیع الاوّل ہے، کتابت کی غلطی سے ۲ کا ۱۲ بن گیا۔ حافظ مغلطائی نے بھی دوسری تاریخ کو ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم

بارہ ربیع الاول ۱۱ ہجری کو پیر کا دن کسی حساب سے نہیں پڑتا، اس لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کی وفات یکم یا دوم ربیع الاول بروز پیر کو صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ تاریخ ۲۸ مئی ۶۳۲ عیسوی ہوتی ہے۔ جس وقت آپ ﷺ کا وصال ہوا اس وقت مدینہ میں دوم ربیع الاول ۱۱ ہجری مطابق ۲۸ مئی ۶۳۲ عیسوی پیر کا دن تھا اور دوسرے علاقوں میں یکم ربیع الاول ۱۱ ہجری مطابق ۲۸ مئی ۶۳۲ عیسوی پیر کا دن ہو گا۔ اس حساب سے یکم اور دوم ربیع الاول کا اختلاف ختم ہو گا۔ غرض ہر جگہ پر پیر کا دن تھا اور ۲۸ مئی ۶۳۲ عیسوی کی تاریخ تھی، ہجری تاریخ مختلف ملک میں مختلف ہو سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(یہ مضمون جنوری ۲۰۱۵ء میں ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند میں شائع ہوا)

* * * * *

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ ! اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور توفیق سے ماہنامہ مفاہیم کراچی کی آن لائن اشاعت کو ایک سال مکمل ہوگیا۔ ماہنامہ مفاہیم کی مجلسِ ادارت اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کے بعد تمام مصنفین وقارئین کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتی ہے کہ انھوں نے اس رسالے کو بہتر بنانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔

مجلسِ ادارت امید کرتی ہے کہ آپ کی طرف سے اسی طرح عمدہ مضامین اور قیمتی آرا موصول ہوتی رہیں گی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاگو ہے کہ ماہنامہ مفاہیم روز افزوں ترقی کرے، امتِ مسلمہ کے لیے نافع بنے اور اس کے تمام متعلقین خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اس کی ترقی میں کوشاں رہیں۔ آمین

صوفی جمیل الرحمن عباسی
مدیر ماہنامہ مفاہیم وناظمِ شعبہ تحقیق وتصنیف، فقہ اکیڈمی

بیت المقدس کا تاریخی خاکہ (۵)

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شام کی طرف

جب شام کے مجاہدین یرموک میں جمع ہو رہے تھے ان دنوں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عراق کے محاذ پر مصروفِ پیکار تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں حکم دیا کہ آپ اپنے لشکر کا ایک حصہ لے کر یرموک پہنچیں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت مُثنّٰی بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو عراق کے محاذ کا امیر بنایا اور خود نو ہزار مجاہدین کو ساتھ لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ شام میں داخل ہو کر انھوں نے راستے کے چند چھوٹے چھوٹے شہر فتح کیے۔ یہاں تک کہ بُصری میں داخل ہوئے یہاں اول تو جنگ ہوئی لیکن کمزور پڑنے پر اہلِ شہر نے صلح کی درخواست کی جو حضرت خالد نے قبول کر لی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ جب یرموک پہنچے تو دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں۔ آپ کے آنے سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ مسلمانوں کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات ہیں: بعض کے مطابق وہ ۳۰ ہزار تھے جبکہ بعض روایات کے مطابق مسلمانوں کی تعداد ۳۶ ہزار یا ۴۰ ہزار تھی۔ مسلمانوں کے لشکر کے سپہ سالار سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے جنھیں خصوصی طور پر عراق سے بلایا گیا تھا۔ جبکہ چار ذیلی کماندار فوجوں کی کمان سنبھالے ہوئے تھے۔ جن میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح، یزید بن ابی سفیان، شُرَحبَیل بن حسنہ، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم اجمعین تھے۔ اس کے علاوہ حضرت زبیر بن عوام، حضرت قعقاع بن عمرو التیمی، ابو سفیان بن حرب، عکرمہ بن ابی

جہل، مقداد بن اسود، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم اجمعین بھی شامل تھے۔ یہ جنگ چھے دن پر محیط تھی۔ ان چھے دنوں میں مختلف واقعات پیش آئے۔ دونوں لشکروں میں مبارزت اور محدود جنگ کا سلسلہ چلتا رہا لیکن بڑی جنگ چھٹے دن ہی ہوئی جس میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اس دوران مختلف مواقع پر مختلف حضرات وعظ و نصیحت اور تحریض و تلقین کرتے رہے۔ جنگ سے پہلے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے وعظ فرمایا۔ ان کے بعد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے خطاب کیا اور لوگوں کو آخرت کی یاد تازہ کرائی۔ حضرت عمرو بن عاص، ابو سفیان بن حرب اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے بھی وعظ فرمایا۔ حضرت مقداد بن اسود نے سورۃ الانفال اور دیگر آیاتِ جہاد کی تلاوت فرمائی جبکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کے سامنے خطاب کیا جس میں فرمایا: إِنَّ هَذَا يَوْمٌ مِنْ أَيَّامِ اللهِ، لَا يَنْبَغِي فِيهِ الْفَخْرُ وَلَا الْبَغْيُ، أَخْلِصُوا جِهَادَكُمْ وَأَرِيدُوا اللهَ بِعَمَلِكُمْ "یہ دن اللہ کے خاص دنوں میں سے ہے، اس میں باہم فخر یا کوئی شرارت کرنا جائز نہیں ہے۔ اپنے جہاد کو اللہ کے لیے خالص کرو اور اپنی محنت اور عمل سے اللہ کی رضا کا ارادہ کرو"۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے وعظ فرمایا: عِبَادَ اللهِ انْصُرُوا اللهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ اصْبِرُوا فَإِنَّ الصَّبْرَ مَنْجَاةٌ مِنَ الْكُفْرِ وَمَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ وَمَدْحَضَةٌ لِلْعَارِ--- "اے اللہ کے بندو! اللہ کی مدد کرو اللہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھیں ثابت قدم رکھے گا۔ صبر کرو اس لیے کہ صبر کفر و ناشکری سے بچانے والا، رب کو راضی کرنے والا اور ذلت و عار کو دور کرنے والا ہے۔۔۔"۔ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے اپنے وعظ میں فرمایا: يَا مَعَاشِرَ أَهْلِ الْإِسْلَامِ حَضَرَ مَا تَرَوْنَ فَهَذَا رسول الله وَالْجَنَّةُ أَمَامَكُمْ، وَالشَّيْطَانُ وَالنَّارُ خَلْفَكُمْ "اے گروہِ اسلام! تمھیں اس صورتِ حال سے واسطہ پڑا ہے جو تمھارے سامنے ہے پس یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور یہ تمھارے سامنے جنت ہے اور شیطان اور دوزخ تمھارے پیچھے ہیں"۔ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ ہر دستے کے پاس جا کر اسے جہاد کی تحریض دلاتے اور فرماتے: اللهَ اللهَ إِنَّكُمْ دَارَةُ الْعَرَبِ وَأَنْصَارُ الْإِسْلَامِ وَإِنَّهُمْ دَارَةُ الرُّومِ وَأَنْصَارُ الشِّرْكِ "اللہ اللہ کرو! تم عرب کے محافظ اور اسلام کے مددگار ہو اور وہ روم کے محافظ اور کفر و شرک کے مددگار ہیں"۔ کبھی آپ یوں دعا کرتے: اللَّهمّ إِنَّ

هَذَا يَوْمٌ مِنْ أَيَّامِكَ، اللَّهمّ أَنْزِلْ نَصْرَكَ عَلَى عِبَادِكَ ”اے اللہ یہ دن آپ کے خاص دنوں میں سے ایک ہے۔ اے اللہ اپنے بندوں پر اپنی مدد و نصرت نازل کر“۔ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ خواتین کے خیموں کی طرف گئے اور ان سے فرمایا کہ جو مرد لڑائی سے منھ موڑ کر پیچھے آئے تو اس پر پتھر پھینکو اور اسے میدانِ جنگ کی طرف واپس بھیجو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی وعظ فرمایا، ان کے الفاظ یہ تھے: سَارِعُوا إِلَى الْحُورِ الْعِينِ وَجِوَارِ رَبِّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ مَا أَنْتُمْ إِلَى رَبِّكُمْ فِي موطن بأحب إِلَيْهِ مِنْكُمْ فِي مِثْلِ هَذَا الْمَوْطِنِ أَلَا وَإِنَّ لِلصَّابِرِينَ فَضْلَهُمْ ”لپکو حورِ عین اور اپنے رب کے پڑوس کی نعمتوں بھری جنت کی طرف جس مقام پر تم اس وقت کھڑے ہو اس سے زیادہ اللہ کو تمھارا کوئی مقام محبوب نہیں ہے اور جان لو کہ صبر کرنے والوں ہی کی فضیلت ہے“۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے وعظ میں فرمایا: يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ، وَمُسْتَحْفِظِي الْكِتَابِ، وَأَنْصَارَ الْهُدَى وَالْحَقِّ، إِنَّ رَحْمَةَ اللهِ لَا تُنَالُ، وَجَنَّتَهُ لَا تُدْخَلُ بِالْأَمَانِيِّ، وَلَا يُؤْتِي اللهُ الْمَغْفِرَةَ وَالرَّحْمَةَ الْوَاسِعَةَ إِلَّا للصادق الْمُصَدِّقَ، أَلَمْ تَسْمَعُوا الْقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ ﴿وَعَدَ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (النور:۵۵) ”اے اہلِ قرآن! اے کتاب اللہ کے حافظو اور محافظو!، اے حق و ہدایت کے مدد گارو! جان لو کہ اللہ کی رحمت اور اس کی جنت میں داخلہ محض تمناؤں پر نہیں ملتا اور اللہ اپنی مغفرت اور رحمتِ واسعہ سے نہیں نوازتا مگر حق کی تصدیق (اور اس کے تقاضوں کی ادائی) میں سچے شخص کو۔ کیا تم نے اللہ تعالی کا فرمان نہیں سنا کہ وہ فرماتا ہے: اللہ کا ایمان اور عمل صالح ادا کرنے والوں سے وعدہ ہے کہ وہ انھیں زمیں مین غلبہ دے گا جیسا کہ اس نے غالب کیا ان سے پہلوں کو، اور ان کے لیے اپنے پسندیدہ دین کو تمکن دے گا اور ان کی حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری بندگی کرتے ہوں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ اور جو کوئی اس کے بعد بھی کفران کرے تو یہی لوگ تو فاسق ہیں“۔

لڑائی شروع ہونے سے پہلے سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے رومیوں سے کہا کہ ہم تمھارے امیر سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ حضرت یزید بن ابی سفیان، ضرار بن ازور، حارث بن ہشام، ابو جندل بن سہیل رضی اللہ عنہم کو لے رومیوں کے سالارِ اعظم تذارق سے ملے اور اسے دین کی دعوت دی لیکن اس نے انکار کیا۔ جنگ سے پہلے رومی جرنیل ہامان (ماہان) صفوں سے نکل کر سامنے آیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے بات چیت کی اور کہا: ''ہم جانتے ہیں کہ غربت اور بھوک نے تمھیں اپنے علاقوں سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ ہم تم میں سے ہر آدمی کو دس دینار، لباس اور سامانِ طعام دیں گے، تم واپس چلے جاؤ۔ اگلے سال ہم تمھیں اتنا ہی مال پھر بھجوا دیں گے۔ یہ ایک حقارت بھرا انداز تھا جس کا جواب حضرت خالد نے یوں دیا: ''ہمیں بھوک نے نہیں نکالا، بات در اصل یہ ہے کہ ہم خون پینے والی قوم تھے، ہمیں پتا چلا کہ رومیوں کے خون سے بہترین خون کہیں نہیں ہے اس لیے ہم نے تمھارا رخ کیا''۔

رومی اپنی صلیبیں اٹھائے ہوئے تھے اور ان کے پادری انجیل پڑھ رہے تھے اور انھیں جنگ پر ابھار رہے تھے۔ رومیوں کا ایک اہم کمانڈر جرَجہ سامنے آیا اور اس نے پکار کر حضرت خالد بن ولید کو مخاطب کیا اور کہا کہ میں ان سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کے سامنے دین کی دعوت رکھی اور وہ مسلمان ہو کر حضرت خالد کے ساتھ ہی آ گیا۔ غسلِ اسلام اور شہادتین کے بعد اس سے دو رکعت نماز پڑھوائی گئی اور مسلمانوں کی فوج میں شامل ہو گیا۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت عکرمہ بن ابی جہل اور قعقاع بن عمرو التیمی رضی اللہ عنہما نے سپہ سالار کے حکم پر جنگ کی ابتدا کی۔ شروع دن ہی سے مقابلہ زور دار تھا۔ بلکہ پہلے دن تو مسلمان خاصے دباؤ میں رہے۔ ایک موقعے پر رومیوں نے ایسا زور دار حملہ کیا کہ یک بارگی مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ کچھ لوگ میدان چھوڑ کر خواتین کے خیموں کی طرف چلے گئے جہاں خواتین نے ان پر پتھر پھینکے اور حضرت خولہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا نے مردوں کی غیرت کو ابھارنے اور للکارنے والے شعر پڑھے یہاں تک کہ وہ لوگ دوبارہ میدان میں کود پڑے۔ رومی فوجی مسلمانوں کے خیموں تک جا پہنچے۔ اس وقت مسلمان عورتوں کو بھی اپنے دفاع کے لیے قتال کرنا پڑا۔ حضرت جویریہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا نے بہت بہادری سے مقابلہ کیا اور حضرت اسما بنتِ یزید انصاریہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اس دن

سات رومیوں کو قتل کیا۔(سنن سعید بن منصور) مسلمانوں کی اس کمزوری کے وقت حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا: مَنْ يُبَايِعُ عَلَى الْمَوْتِ؟ ''کون ہے جو موت پر بیعت کرتا ہے؟'' ان کے چچا حضرت حارث بن ہشام اور ضرار بن ازور رضی اللہ عنہما سمیت تقریباً چار سو جاں نثاروں نے جواب دیا کہ ہم موت پر بیعت کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے ایسا مقابلہ کیا کہ رومی پسپائی پر مجبور ہوگئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک سو گھڑ سواروں کو ساتھ لے کر ان کے قلب پر حملہ آور ہوئے تو ایک ہی حملے میں چھ ہزار رومیوں کو قتل کرکے واپس لوٹے۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ساتھی ان سے پیچھے رہ گئے اور آنجناب دشمن کے میسرہ کو چیرتے ہوئے میمنہ تک جا پہنچے اور زخموں سے نڈھال واپس اپنے لشکر میں پہنچ آئے۔ جرجہ رحمۃ اللہ علیہ نے تلوار کے خوب جوہر دکھائے رومیوں کی صفیں الٹ دیں یہاں تک کہ ان کے قلب تک جا پہنچے۔ آخر کار رومی پسپا ہونا شروع ہوئے اور شام تک رومی میدان چھوڑ کر بھاگ رہے تھے اور مسلمان انھیں گاجر مولی کی طرح کاٹتے جا رہے تھے۔ رومیوں کی ایک بڑی تعداد نے خود کو زنجیروں میں باندھ رکھا تھا تاکہ بھاگ نہ سکیں۔ بغیر زنجیروں والے بھاگ نکلے اور زنجیروں والے مسلمانوں کی تلواروں کی پیاس بجھانے کے کام آئے۔ رات بھر مسلمان رومیوں کو قتل کرتے رہے۔ رومی مقتولین کی تعداد کے بارے میں روایتیں مختلف ہیں۔ ایک لاکھ بیس ہزار کی روایت بھی ہے اور ستر ہزار کی بھی ہے لیکن اس سے کم کی کوئی روایت نہیں ہے۔ اگلے دن بھاری مال غنیمت جمع کیا گیا۔(تاریخ ابنِ کثیر)

اس جنگ میں تین ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے شہید ہونے والے مسلمان کے پاس جب حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ گئے تو اس نے کہا: میری تو جانے کی تیاری ہو چکی ہے، کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ سے کوئی کام ہے؟ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تُقْرِئُهُ عَنِّي السَّلامَ وتَقُوْلُ: يا رسولَ اللهِ إنّا قَدْ وَجَدْنا ما وَعَدَنا رَبُّنا حَقّا ''میری طرف سے آپ ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرنا اور کہنا: یا رسول اللہ! ہمارے رب نے ہم سے جو وعدے کیے تھے وہ ہم نے پا لیے''۔(تاریخ ابنِ کثیر) عجیب بات ہے کہ فتحِ مکہ سے پہلے جن دو خاندانوں نے نبی کریم ﷺ کی زیادہ مخالفت کی انھوں نے اس جنگ میں اہم خدمات سرانجام دیں۔ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کا واعظانہ و خطیبانہ کردار

پہلے بیان ہو چکا۔ آپ نے خوب جم کر لڑائی کی اور آپ کی اس جنگ میں دوسری آنکھ بھی نکل گئی جبکہ ایک آنکھ وہ غزوۂ طائف میں گنوا چکے تھے۔ آپ کے ایک بیٹے حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اس جنگ میں اہم کمانڈر تھے۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بھی اس جنگ میں شامل تھے۔ خاندانِ ابو جہل میں سے، ابو جہل کے ماں شریک بھائی حضرت عیاش بن ابی ربیعہ، ابو جہل کے بیٹے عکرمہ بن ابی جہل، اس کے پوتے عمرو بن عکرمہ اور اس کے سگے بھائی حارث بن ہشام اس جنگ میں شہید ہوئے۔ اس کے علاوہ شہدا میں نومسلم جرجہ، سلمہ بن ہشام بن مغیرہ، عمرو بن سعید بن عاص، ابان بن سعید بن عاص، جندب بن عمرو، طفیل بن عمرو الدوسی، عبداللہ بن زبیر بن عبدالمطلب بھی شامل تھے۔ یہی وہ جنگ ہے جس میں ایک دوسرے کو پانی پلانے کی کوشش میں عیاش بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل اور حارث بن ہشام نے پیاسے ہی جام شہادت نوش کیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

جنگ کے آخری مراحل میں مدینے سے ایک قاصد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رحلت اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی اطلاع لے کر پہنچا۔ وہ ایک خط بھی لے کر آیا جس میں دیگر اطلاعات کے ساتھ یہ حکم بھی تھا کہ خالد بن ولید کی جگہ ابو عبیدہ کو امیرِ لشکر بنایا گیا۔ صورتِ حال کی نزاکت کے سبب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کسی کو آنے والی اطلاع کی خبر نہ ہونے دی۔ فتح کے بعد انھوں نے لوگوں کو خلیفۂ اول کی وفات، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تولیت کی اطلاع دی اور اپنی معزولی کی خبر سنائی اور کارِ سپاہ امین الامت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو سونپ دیے۔

فتحِ دمشق

یرموک سے بھاگ نکلنے والی رومی افواج؛ دمشق، فحل اور حمص وغیرہ میں جمع ہو رہی تھیں۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے راہنمائی طلب کی تو انھوں نے کہا کہ پہلے دمشق کو فتح کریں، لیکن ایسا انتظام کریں کہ حمص اور فحل اہلِ دمشق کی مدد کو نہ پہنچ سکیں۔ اب مسلمانوں نے فحل اور حمص کی طرف دو فوجیں روانہ کیں جنھوں نے ان شہروں کے نزدیک ڈیرے ڈال دیے۔ مرکزی لشکر نے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ سات دن تک سخت محاصرہ جاری رہا۔ اہلِ دمشق کو کہیں سے کمک نہ مل سکی۔ انھی دنوں قلعے کے ایک بطریق کے ہاں پیدائش ہوئی جس کی خوشی میں

اس نے تمام اہلِ قلعہ کو کھانے کی دعوت دی۔ دعوت کے انہماک میں قلعے کی دیواروں کے بعض پہرے دار غافل ہو گئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ساری صورتِ حال پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ آنکھ بچا کر قلعے کی دیوار تک جا پہنچے اور وہاں رسی سے بنی چند سیڑھیاں لٹکانے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر رات کو آپ نے قعقاع بن عمرو التیمی اور چند مجاہدین کو ساتھ لیا اور رسیوں کے ذریعے دیوار پر چڑھ گئے۔ آپ نے کچھ دستے تیار کیے ہوئے تھے کہ جب قلعے کی دیواروں سے سے تکبیر کی آواز آئے تو وہ قلعے کے دروازے کی طرف دوڑیں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے دیواروں پر چڑھ کر تکبیر بلند کی اور پھر اندر داخل ہو کر پہرے داروں کو قتل کیا اس کے بعد انھوں نے دربانوں کی خبر لی اور دروازے کھول دیے دروازوں پر پہنچے ہوئے مجاہدینِ اسلام اندر داخل ہو گئے۔ اب قلعے والوں نے صلح کی درخواست کی جو قبول کرلی گئی اور شہر مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔ دار الخلافہ کی طرف یہ خوشخبری بھیجی گئی تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کچھ فوج عراق کی طرف بھیجنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کو عراق کی جانب بھیجا گیا۔

فحل کی فتح

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے دمشق پر حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو متعیّن کیا اور خود فوج لے کر فحل پر حملہ آور ہوئے۔ رومی لشکر اسی ہزار کی تعداد میں تھا۔ دونوں لشکروں میں گھمسان کا رن پڑا اور آخر کار مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

ساحلی علاقوں کی فتح

حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ دمشق میں قیام پزیر تھے۔ وہ شام کے ساحلی علاقوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کچھ عرصے میں انھوں نے عِرقَہ، جُبَیل، بَیرُوت اور صَیدا کے علاقے فتح کر لیے۔ ان فتوحات میں ان کے بھائی حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔

فتحِ بیسان، طبریہ اور اردن

فحل کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حِمص کا ارادہ کیا اور حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر دے کر بیسان کی طرف روانہ کیا۔ یہاں بھی اول تو لڑائی ہوئی لیکن جب رومی کمزور پڑے اور بھاری جانی نقصان اٹھا چکے تو انھوں نے صلح کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی۔ حضرت شُرحَبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے اردن کو فتح کیا۔ یہاں کا والی آپ ہی کو بنایا گیا۔ انھوں نے ابو اعور الاسلمی کو طبریہ کی طرف بھیجا گیا گیا جنھوں نے جا کر محاصرہ کیا اور ان لوگوں نے بھی دمشق کی طرح جزیہ دے کر صلح کر لی۔ (الکامل)

معرکہ مضافاتِ دمشق

فحل کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما حِمص کی طرف روانہ ہوئے۔ جب وہ ذی الکلاع نامی علاقے میں پہنچے تو دو رومی جرنیل تُوذرا اور شَنَس بھی اس علاقے میں داخل ہوئے۔ توذرا آگے بڑھ کر دمشق کے نواح میں خیمہ زن ہوا۔ وہ موقع پا کر دمشق پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا۔ والیٔ دمشق حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے دمشق سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ دونوں لشکروں میں خوفناک لڑائی شروع ہوئی۔ دوسری طرف حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب دمشق کو خطرے میں دیکھا تو حمص کی طرف بڑھنے کے بجائے دمشق کی جانب روانہ ہوئے اور جب وہ یہاں پہنچے تو دونوں لشکروں کو لڑتا ہوا پایا۔ وہ عقب سے رومیوں پر پل پڑے۔ رومی لشکر دو طرفہ قتال کی تاب نہ لا سکا اور تتر بتر ہو گیا۔ مسلمانوں نے بہت سارے رومیوں کو قتل کیا۔ میدانِ جنگ سے فرار ہونے والے کچھ لوگ ہی بچ پائے۔ ان کا کمانڈر تُوذرا سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ مسلمانوں کو کثیر مالِ غنیمت حاصل ہوا جو دونوں لشکروں میں تقسیم کیا گیا۔ اس جنگ کے بعد حضرت یزید رضی اللہ عنہ دمشق واپس ہوئے جب کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب وہ یہاں پہنچے تو حضرت ابو عبیدہ کو شنس کی فوج سے معرکہ آرا پایا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو لے کر جنگ میں کود پڑے اور شنس کے

لشکر کا بھی وہی انجام ہوا جو تُوذرا کا ہو چکا تھا۔ البتہ اب کے رومی کمانڈر کا سر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قلم ہوا۔

حمص کا محاصرہ

رومی لشکر کے بھاگنے والے شکست خوردہ سپاہی حمص میں داخل ہوئے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ان کے تعاقب میں تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حمص کا محاصرہ کر لیا۔ بعد میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی اپنی فوج کو لیے آن پہنچے۔ یہ شدید سردی کے دن تھا۔ اہلِ حمص کو یہ امید تھی کہ مسلمان سردی کی تاب نہ لا سکیں گے اور محاصرہ اٹھا لیں گے لیکن مسلمانوں نے کمالِ صبر کا مظاہرہ کیا۔ حمص کے عام لوگ چاہتے تھے کہ وہ مسلمانوں سے دمشق کی طرح کی صلح کر لیں۔ لیکن شہر کے اُمَرا اِس کے لیے رضامند نہ تھے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ایک دن صحابہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا جس سے شہر کے درو دیوار گونج اٹھے بلکہ ایک آدھ دیوار بھی گر گئی۔ جب مسلمانوں نے دوسرا نعرۂ تکبیر بلند کیا تو حمص کے بعض مکانات گر گئے۔ صلح کے قائلین نے اب دوبارہ اصرار کیا۔ شہر کے امرا بھی مسلمانوں کی اس کرامت سے متاثر ہو چکے تھے چنانچہ انھوں نے دمشق کی طرح صلح کی درخواست دی جو جزیہ اور خراج کے ساتھ منظور کر لی گئی۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خمس کے مال اور فتح کی خبر کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ (تاریخِ ابنِ کثیر)

فتح قِنَّسرین

حمص کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قِنّسرین کی طرف روانہ کیا۔ یہاں رومی جرنیل میناس موجود تھا۔ اس کے لشکر میں رومیوں کے علاوہ عرب کے عیسائی قبائل بھی تھے۔ یہاں بھی سخت لڑائی ہوئی اور رومی لشکر نے شکست کھائی۔ میناس قتل ہوا۔ بچے کھچے رومی فرار ہو گئے۔ عرب عیسائی قبائل کے لوگوں نے ہتھیار پھینک کر معذرت پیش کی کہ وہ رومیوں کے دباؤ پر جنگ کے میدان میں آ گئے تھے۔ ان کا عذر قبول کیا گیا۔ اگرچہ ان لوگوں نے بعد میں غدر کیا لیکن آسانی سے ان پر قابو پا لیا گیا۔ (تاریخ ابن کثیر)

قیصر کا الوداعی سلام

یہ ۱۶ ہجری کا واقعہ ہے اور یہی وہ موقع ہے جب قیصر شام کو چھوڑ کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوا۔ وہ جب بھی شام سے نکلا کرتا تو الوداعی سلام کرتا لیکن اس دفعہ اس نے یوں سلام کیا: عَلَيْكِ السَّلَامُ يَا سُورِيَّةُ سَلَامًا لَا اجْتِمَاعَ بَعْدَهُ إِلَّا أَنْ أُسَلِّمَ عَلَيْكِ تَسْلِيمَ الْمُفَارِقِ "اے شام تجھے سلام، وہ سلام جس کے بعد ملاقات نہیں ہے، پس یہ ایک بچھڑنے والے کا الوداعی سلام ہے"۔ (تاریخ ابن کثیر)

جاری ہے

*****

مولانا محمد زکی کیفیؔ (۱۹۲۶-۱۹۷۵ء)
معروف شاعر، ابنِ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

غزل

راہِ وفا میں ہر سو کانٹے دھوپ زیادہ سائے کم
لیکن اس پر چلنے والے خوش ہی رہے پچھتائے کم

عمر گلوں کی دو دن جس میں یہ بھی قیامت بیت گئی
دستِ ہوس نے نوچے لاکھوں شاخوں پر مرجھائے کم

آہ یہ ظالم تلخ حقیقت جتنے سفینے غرق ہوئے
اکثر اپنی موج میں ڈوبے طوفاں سے ٹکرائے کم

راہ رَوِی کا سب کو دعویٰ، سب کو غرورِ عشق و وفا
راہِ وفا پر چلنے والے ہم نے لیکن پائے کم

دھیمی دھیمی چال سے ہم کو راہگذر طے کرنی ہے
ناز تھا جن کو تیز روی پر منزل تک وہ آئے کم

مجھ سے شکایت دنیا بھر کو شدتِ غم میں رونے کی
لیکن مجھ کو اس کا رونا، آنکھ میں آنسو آئے کم

صرف یہی ہے ایک طریقہ دنیا میں خوش رہنے کا
دستِ تمنا کھینچے زیادہ، دامنِ دل پھیلائے کم

صبر و سکوں کی دنیا لوٹے حسن دکھا کر جلووں کو
عشق مگر خود شب بھر تڑپے، اوروں کو تڑ پائے کم

عشق ادب کا نام ہے کیفیؔ، یہ بھی ادب میں شامل ہے
جس کی محبت دل میں بسی ہو اس کی گلی میں جائے کم

*****

مولانا حماد احمد ترک

نائب مدیر ماہنامہ مفاہیم کراچی

گزشتہ گیارہ شماروں کا اشاریہ

شمارہ نمبر ا

ادار یہ: شانِ رسالت ﷺ، مدیر ماہنامہ مفاہیم

درسِ قرآن: سورۃ التوبہ: ۱۲۹-۱۲۸، صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

درسِ حدیث: بدءِ وحی، صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

مقالہ: طلوعِ آفتابِ رسالت ﷺ اور خوارق کا ظہور، مولانا محمد اقبال

تصحیح ہائے مفاہیم: انقلاب کا نبوی طریق: چند اشکالات، عمران چھاپڑا

مقالہ: آپ ﷺ کی پرورش: ایک منفرد نقطۂ نظر، عابد علی بھٹی

ادبیات: نعت گوئی اور چند اردو نعت گو شعرا، حافظ حماد احمد ترک

تنقیدِ مغرب: در جہانی و از جہاں بیشی، ڈاکٹر محمد رشید ارشد

فتاویٰ یسئلونک: محفلِ میلاد کا انعقاد

احوالِ امت، محمد ایاز

شمارہ نمبر ۲

اداریہ: توہینِ رسالت کی سزا کے بارے میں چند گزارشات، مدیر ماہنامہ مفاہیم

درسِ حدیث: شبہات سے اجتناب، صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

تنقیدِ مغرب: جدید برائیوں سے کیسے بچیں؟، ڈاکٹر محمد رشید ارشد

مقالہ: سوانحِ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (۱)، حافظ حماد احمد ترک

تصحیح ہائے مفاہیم: تفقہ فی الدین (۱)، صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

مقالہ: ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی اور محاکمۂ استشراق، مولانا معراج محمد

فتاویٰ یسئلونک: گستاخِ رسول کی سزا

شمارہ نمبر ۳

اداریہ: آسماں بے ردا، نہ ہو جائے، مدیر ماہنامہ مفاہیم

درسِ قرآن: سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۸۱، مولانا محمد اقبال

درسِ حدیث: اخلاصِ نیت، ابنِ عباس

مقالہ: نیکیوں میں جلدی کریں، ڈاکٹر محمد رشید ارشد

مقالہ: سوانحِ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (۲)، حافظ حماد احمد ترک

تصحیح ہائے مفاہیم: تفقہ فی الدین (۲)، صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

تصحیح ہائے مفاہیم: اختلافِ فقہا کی حقیقت، حافظ معاذ بن تجمل

فتاویٰ یسئلونک: شادی کے موقعے پر گانا گانا

نعت: تنم فرسودہ جاں پارہ، مولانا عبد الرحمٰن جامیؔ رحمۃ اللہ علیہ

شمارہ نمبر۴

ادار یہ: افتتاح القرآن، مدیر ماہنامہ مفاہیم

درسِ قرآن: سورۂ آلِ عمران آیت ۱۳۹، زبیر احمد

درسِ حدیث: قلوب الصالحین، ابنِ عباس

مقالہ: مناہل العرفان فی علوم القرآن (۱)، مولانا معراج محمد

تنقیدِ مغرب: جدیدیت: ایک تاریخی تناظر (۱)، ڈاکٹر محمد رشید ارشد

ادبیات: نظم نئی تہذیب، اکبر الہ آبادی

تصحیح ہائے مفاہیم: مسلمانوں کی فرقہ بندی: حقیقت یا افسانہ، صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

فقہیات: القواعد الفقهية: تعارف، مفتی نذیر احمد ہاشمی

فتاویٰ یسئلونک: تعدیِ مرض «لا عدوى ولا طيرة»

شمارہ نمبر۵

ادار یہ: يا باغيَ الخير، مدیر ماہنامہ مفاہیم

درسِ قرآن: سبیل المسلمین، مولانا محمد اقبال

درسِ حدیث: قلبِ مخموم، ابنِ عباس

مقالہ: مناہل العرفان فی علوم القرآن: ایک مطالعہ (۲)، مولانا معراج محمد

مقالہ: عثمانی تعلیمی نظام پر ایک نظر، احمر ایاز

ادبیات: کیا اردو لشکری زبان ہے؟، ڈاکٹر عبد الرؤف پاریکھ

تنقیدِ مغرب: جدیدیت: ایک تاریخی تناظر (۲)، ڈاکٹر محمد رشید ارشد

تصحیح ہائے مفاہیم: الجماعہ کا مفہوم (۱)، صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

فتاویٰ یسئلونک: شب براءت کی عبادت

شمارہ نمبر ۶

اداریہ: سبقت الی الخیر، مدیر ماہنامہ مفاہیم

درسِ قرآن: سورۃ البقرہ: ۱۸۵ تا ۱۸۶، حافظ حماد احمد ترک

درسِ حدیث: رمضان: نیکیوں میں محنت کا مہینا، ابن عباس

مقالہ: الدنیا یوم ولنا فیہ صوم، حافظ عمیر انور

مقالہ: حضرت شیخ الاسلام صاحب دامت برکاتہ کے ساتھ ایک یادگار نشست (۱)، مولانا محمد اقبال

مقالہ: تعارفِ امام غزالی (۱)، حافظ مومن محمود

تصحیح ہائے مفاہیم: الجماعہ کا مفہوم (۲)، صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

فقہیات: القواعد الفقهية: القاعدة الأولى، مفتی نذیر احمد ہاشمی

ادبیات: اردو کے حروف تہجی، ڈاکٹر عبد الرؤف پاریکھ

فتاویٰ یسئلونک: صلوۃ التسبیح فضائل و مسائل

شمارہ نمبر ۷

اداریہ: سِرِّ محبت اور سُرِ عشق، مدیر ماہنامہ مفاہیم

درسِ قرآن: سورۃ الحجر آیت: ۹۴، ۹۵، حافظ حماد احمد ترک

درسِ حدیث: قلب کی مثال، ابن عباس

مقالہ: حضرت شیخ الاسلام صاحب دامت برکاتہ کے ساتھ ایک یادگار نشست (۲)، مولانا محمد اقبال

مقالہ: تعارفِ امام غزالی (۲)، حافظ مومن محمود

تصحیحِ مفاہیم: الجماعہ کا مفہوم (۳)، صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

فقہیات: القواعد الفقهية: القاعدة الثانية، مفتی نذیر احمد ہاشمی

ادبیات: اردو لکھنے والوں سے چند گزارشات، حافظ حماد احمد ترک

فتاویٰ یسئلونک: شوال کے چھے روزے

نعت: پھر کے گلی گلی تباہ، مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

شمارہ نمبر ۸

اداریہ: سِرِّ محبت اور سُرِ عشق، مدیر ماہنامہ مفاہیم

درسِ قرآن: سورۂ بنی اسرائیل: آیات ۱ تا ۸، صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

درسِ حدیث: بیت المقدس میں یحیٰ علیہ السلام کا وعظ، ابنِ عباس

مقالہ: دینی مزاج کی فکر کے لیے اسلامی ہوسٹل کا قیام، محمد قمر الزماں ندوی

مقالہ: اسلام کے تین بنیادی ادارے، مفتی اویس پاشا قرنی

تصحیحِ مفاہیم: بار بار حج کرنے والوں کے نام، محمد ایاز

مقالہ: بیت المقدس کا تاریخی خاکہ (۱)، صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

مقالہ: آدابِ قربانی، مفتی اویس پاشا قرنی

نعت: کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا، احمد ندیم قاسمی

شمارہ نمبر ۹

اداریہ: کھل گئے 'ابلیس' کے لشکر تمام، مدیر ماہنامہ مفاہیم

درسِ قرآن: ذکرِ الٰہی کی اقسام، مولانا محمد اقبال

درسِ حدیث: قلبِ حزیں، ابنِ عباس

تصحیح ہائے مفاہیم: خاموش ہو جاؤ، تمھارا کوئی استاد نہیں!!، حافظ معاذ بن تجمل

مقالہ: بیت المقدس کا تاریخی خاکہ (۲)، صوفی جمیل الرحمن عباسی

مقالہ: چودہ اگست کا اصل خصوصی پیغام، انور غازی

فقہیات: القواعد الفقهية: القاعدة الثالثة (۱)، مفتی نذیر احمد ہاشمی

فتاویٰ یسئلونک: یومِ عاشورا کا روزہ

ادبیات: نظم پاکستان کا اک مقصد تھا، اجمل سراج

شمارہ نمبر ۱۰

نعت: لب پر نعتِ پاک کا نغمہ، صبیح رحمانی

اداریہ: عہدِ نو مبارک ہو، مدیر ماہنامہ مفاہیم

درسِ قرآن: نفاق اور ضعفِ ایمانی کا اطلاق: ایک مغالطہ، مولانا محمد اقبال

درسِ حدیث: محبتِ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، ابنِ عباس

مقالہ: ایک بابرکت سفر کی روداد، زبیر احمد

مقالہ: بیت المقدس کا تاریخی خاکہ (۳)، صوفی جمیل الرحمن عباسی

مقالہ: مدرسہ کھولا ہے دوکان نہیں!، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

فقہیات: القواعد الفقهية: القاعدة الثالثة (۲)، مفتی نذیر احمد ہاشمی

ادبیات: نظم خدا کرے کہ میری ارضِ پاک پر اترے، احمد ندیم قاسمی

شمارہ نمبر ۱۱

نعت: صبا بسوے مدینہ روکن، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ

اداریہ: قبولِ اسلام، مدیر ماہنامہ مفاہیم

درسِ قرآن: عبادت اور تقویٰ کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ، مولانا محمد اقبال

درسِ حدیث: تعلیم و تعلم سے بے رغبتی کی مذمت، ابنِ عباس

مقالہ: فہمِ قرآن کے دو رجحان، محمد بلال احمد/صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

مقالہ: بیت المقدس کا تاریخی خاکہ (۴)، صوفی جمیل الرحمن عباسی

فتاویٰ یسئلونک: محفلِ میلاد کا انعقاد

ادبیات: انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا، محمد حسین آزاد

*****